رجسٹر نمبر ایل ۱۷۷۵

قال اللہ تعالیٰ وقرآناً فرقناه لتقرأه على الناس على مكث ونزلناه تنزيلا

چوں آیت موصوفہ دال ست بر فضیلت تعلیم تدریجی برائے عامۂ ناس
حاضر باشید یا ہادی * و نیز بر ضرورت تعلیم علوم قرآنیہ یعنی دینیہ کہ مشتمل ست بر
مقاصد و مبادی * پس اتباعاً للنص الغریب صحیفۂ شہریہ کہ مندرج ست بتدریج شہور

مسمیٰ بہ

الہادی

نمبر ۳۹ / ۵

نمبر ۵	بابت رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ	جلد ۳

کہ جامع ست انواع علوم دینیہ را برائے ہر طالب و جادی و مذکر ست در ہر مجلس و نادی
و مسکن ست برائے ہر جائع و صادی * بصورت ترجمہ رسالہ ترغیب و ترہیب و تسہیل المواعظ
و حل اشتباہات و کلید مثنوی و تشرف و امیر الروایات کہ اکثر آں مستفاد ست از
درگاہ ارشادی یعنی خانقاہ اشرفی امدادی * باہتمام محمد عثمان عامی * در شہرہ اسلامی

در محبوب المطابع دہلی مطبوع گردید

از کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلاں دہلی بنرخ نوروپیہ سالانہ بر دست میگردد

ھ ہذا التفسیر العام ماخوذ من الحدیث اقتضى نبأ بكتاب الله وقضى بالرجم ۱۲

فہرست مضامین

رسالہ الہادی بابت رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ

جو بہ برکت دُعا حکیم الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی

کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلان دہلی سے شائع ہوتا ہے

نمبر شمار	مضمون	فن	صاحب مضمون	صفحہ
۱	التادیب والتہذیب ترجمہ ترغیب وترہیب	حدیث	مولانا مولوی محمد اسحٰق صاحب	۱
۲	تسہیل المواعظ	وعظ	حکیم الامۃ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم	۹
۳	حل الانتباہات	کلام	مولوی حکیم محمد مصطفےٰ صاحب	۱۷
۴	کلید مثنوی	تصوف	حکیم الامۃ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم	۲۵
۵	التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف	حدیث	.... ایضاً	۳۳
۶	اسیر الروایات فی جیب الحکایات	تصوف وسیر	مولوی حبیب احمد صاحب بعہ حاشیہ حکیم الامۃ مولانا تھانوی مدظلہم	۳۷
۷	سیرۃ الصدیق	سیر	مولوی محمد صابر صاحب امروہوی	۴۱

اُصول ومقاصد رسالہ الہادی اور ضروری اطلاعیں

(۱) رسالہ ہٰذا کا مقصود امت محمدیہ کے عقائد و اخلاق و معاشرت کی اصلاح ہے۔

(۲) یہ رسالہ ہر قمری مہینے کی تیسری تاریخ کو بحمد اللہ عین تاریخ ہی پر شائع ہوتا ہے۔

(۳) کسی ماہ کا رسالہ علاوہ ٹائیٹل کے ڈہائی جز سے کم نہ ہوگا بعض مرتبہ کسی مضمون کی تکمیل کی ضرورت سے اس سے بھی بڑہجانا ممکن ہے اور قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنے ہے۔

(۴) سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے ہیں۔ جملہ حضرات خریداران کی خدمت میں رسالہ وی پی بہیجا جائیگا۔ اور دو آنہ خرچ رجسٹری اضافہ کرکے دو روپے دس آنہ کا وی پی روانہ ہوگا جسپر دو آنہ فیس منی آرڈر ڈاکخانہ اضافہ کریگا اور دو روپے بارہ آنہ کا وی پی پہنچے گا۔

(۵) جن حضرات کی خدمت میں نمونہ کے طور پر رسالہ ارسال کیا جاتا ہے وہ جبتک پیشگی قیمت نہ بھیجیں گے یا وی پی کی اجازت نہ دینگے دوسرا پرچہ نہ بہیجا جائیگا۔

(۶) جو صاحب درمیان سال میں خریدار ہونگے انکی خدمت میں کل پرچے شروع جلد یعنی جمادی الاول ۱۳۴۵ھ سے بہیجے جائینگے اور ابتداء سال سے خریدار سمجھے جائینگے۔

اور اگر الہادی کی جلد اول و دوم درکار ہو طلب فرما دیں مگر انکی قیمت فی جلد تین روپے ہے۔ علاوہ محصولڈاک کے

الراقم

محمد عثمان مالک و مدیر رسالہ الہادی دہلی

اُس نے کہا میں اپنی جان کے بدلے میں سب کچھ تھوڑا بہت دیتا ہوں اور انکو بدلہ دیکر بچ گیا اور تم کو یہ حکم کیا ہے کہ خدا کی یاد کرتے رہا کرو اسواسطے کہ اسکی مثال مثل اس شخص کے ہے کہ دشمن اسکے پیچھے بھاگا اس شخص نے ایک مضبوط قلعہ میں پہنچکر اپنے آپ کو ان سے محفوظ کر لیا اسیطرح انسان اپنے آپ کو شیطان سے بجز ذکر خدا کے (کسی طرح) نہیں بچا سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور میں تم کو پانچ چیزون کا حکم کرتا ہون جنکا اللہ تعالےٰ نے مجھکو حکم فرمایا ہے (حاکم وقت کی) بات سُننا اور اسکی تابعداری کرنا اور جہاد اور ہجرت اور جماعت (اسلام سے چپٹے رہنا) اسواسطے کہ جو جماعت (مسلمانون سے) ایک بالشت جدا ہوا اُس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکالدی ہاں اگر پھر لوٹ آوے (ف اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے ان لوگونکو جو آزادی پسند ہیں کہتے ہیں کہ ہم کتاب اور سنت رسول اللہ سے جو کچھ خود مطلب سمجھیں گے اسکے کاربند ہونگے ہم کو تمام امت سے بحث نہیں یا اگر اپنے مطلب کے موافق کوئی قول کسی کا ملگیا اسکو آڑ بنا لیا اگرچہ وہ امت کے نزدیک متروک ہی ہو اور اسی سے کیفیت تمام مذاہب جدیدہ کی معلوم ہوگئی یہ ظاہر ہے کہ اگر اقوال سلف صالحین کے موافق ہو تو جدید ہی کیونکر ہو لہذا تمام مسلمانونکو مناسب ہے کہ حدیث کے اس جملہ کو پیش نظر رکھکر بجز مذہب اہل سنت والجماعت کے جو کتب قدیمہ میں ہے اسکے سوا اور نئی نئی باتیں جنکا کتابون میں وجود نہیں ہے ہرگز نہ سنیں) اور جس نے جاہلیت کے زمانہ کے دعوے کئے وہ جہنم کی جماعتون میں سے ہے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگرچہ وہ نماز روزہ کرے فرمایا اگرچہ نماز روزہ کرے پس تم تو اللہ کے انہیں خطابون کے ساتھ ایک دوسرے کو پکارو جو تمہارا نام مقرر فرمادیا ہے مسلمان مومن عباد اللہ ترمذی نے اس حدیث کو انہیں الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے اور کچھ حصہ نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیحون میں اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور شرط بخاری مسلم پر صحیح کہا ہے صاحب کتاب فرماتے ہیں حارث اشعری کی صحاح ستہ میں بجز اس حدیث کے اور کوئی روایت نہیں ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا یہ اچکنا ہے

کہ شیطان بندہ کی نماز میں سے اچکتا ہے (یعنی شیطان چاہتا ہے کہ نماز کو بندہ کی خراب کرون تو وہ بندہ کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ ادہر اُدہر دیکھے اور نماز سے غافل ہوجائے) اسکو امام بخاری نسائی ابوداؤد ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

اور ابوالاحوص حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ برابر اپنے بندہ کی طرف اسکی نماز میں متوجہ رہتا ہے جبتک کہ وہ ادہر اُدہر نہیں دیکھتا جب وہ بندہ منھ پھیرتا ہے اللہ تعالےٰ بھی اس سے اعراض فرمالیتے ہین اسکو امام احمد ابوداؤد ونسائی ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے مصنف کتاب حافظ عبدالعظیم فرماتے ہیں یہ ابوالاحوص اپنے نام کے ساتھ مشہور نہیں ہیں ان سے زہری کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کیا اور ترمذی اور ابن حبان وغیرہ نے اسکی تصحیح کی ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں مجھکو میرے خلیل صلے اللہ علیہ وسلم نے تین باتون کی وصیت فرمائی ہے اور تین باتوں سے منع کیا ہے مجھکو منع فرمایا ہے مرغ کی سی ٹہونگیں مارنے سے اور کتے کی سی بیٹھک سے (کہ اپنے سرینون پر گھٹنے کہڑے کرکر بیٹھے) اور لومڑی کی طرح ادہر اُدہر تکنے سے اسکو امام احمد اور ابویعلےٰ نے روایت کیا ہے اور امام احمد کی اسناد حسن ہے اور اسکو ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے مگر انھون نے کتے کی بجائے بندر فرمایا ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے پیارے بیٹے نماز میں ادہر ادہر دیکھنے سے بچ اسواسطے کہ نماز میں ادہر اُدہر دیکھنا ہلاکت ہے الی آخر الحدیث اسکو ترمذی نے بواسطہ علی ابن زید بروایت سعید بن المسیب حضرت انس سے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور بعض نسخون میں حسن صحیح کہا ہے مصنف کہتے ہیں علی بن زید بن جدعان میں کلام ہے جو آیندہ آئیگا اور سعید کی روایت انس سے غیر مشہور ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں برابر اللہ تعالیٰ

بندہ کی طرف متوجہ رہتا ہے جبتک کہ وہ اِدہر اُدہر نہ دیکھے یا حدث نہ کرے اسکو طبرانی نے کبیر میں بروایت ابو قلابہ حضرت ابن مسعود سے موقوف روایت کیا ہے ابو قلابہ نے حضرت ابن مسعود سے سُنا نہیں ہے۔

اور حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ زوجۂ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین لوگ ایسے تھے کہ نمازی نماز ایسے پڑہتا تھا کہ اُن میں سے کسی کی نظر اُسکے قدم کی جگہ سے نہیں ٹلتی تھی جب جناب کی وفات ہوگئی تو لوگ ایسے ہوگئے کہ جب کوئی ان میں سے نماز کو کہڑا ہوتا تو اسکی نظر موضع قبلہ سے نہیں ہٹتی تھی پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ کا زمانہ ہوا تو ادہر اُدہر دیکہنا ہونے لگا لوگ داہنے بائیں دیکھنے لگے اسکو ابن ماجہ نے باسناد حسن روایت کیا ہے مگر موسے بن عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی کی روایت کو اصحاب صحاح ستہ نے نہیں بیان کیا بجز ابن ماجہ کے اور مجھکو اس میں جرح یا تعدیل ثابت نہیں ہوئی واللہ اعلم۔

۲۲۷

بلا ضرورت کنکری وغیرہ پر جائے سجدہ میں ہاتھ پھیرنے یا پھونک مارنے سے ترہیب

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالٰے عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جناب نے فرمایا جب کوئی تم میں سے نماز کو کہڑا ہو تو کنکریوں کو نہ چھوئے اسواسطے کہ رحمت اسکے منہ کے مقابل ہوتی ہے اسکو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے اور نسائی ابن ماجہ نے اور ابن حبان ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیحون میں روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ کے یہ الفاظ ہیں جب تم میں سے کوئی نماز میں کہڑا ہوتا ہے تو رحمت اسکے سامنے ہوتی ہو پس کنکریوں کو مت ہلاؤ ان سب نے ابی الاحوص کی روایت سے بیان کیا ہے۔

اور حضرت معیقیب رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کنکریاں مت چھوا کر جب تو نماز پڑہا کرے اور اگر تو مجبور ہی ہو تو کنکریوں کا چھونا ایک مرتبہ ہے اسکو امام بخاری مسلم

ترمذی نسائی ابوداؤد ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہین میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا نماز مین کنکریان چھونے سے فرمایا ایک دفعہ اور اگر اس سے بھی رُک جاوے تو تیرے واسطے سو اونٹنیون سے بہتر ہے کہ سب سیاہ حلقہ والے ہوں اسکو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح مین روایت کیا ہے (ف زمانہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مین مسجدو نکے فرش خام تھے چھوٹی چھوٹی پتھریاں بچھی ہوئی ہوتی تھیں اُن میں سے نوک دار چبھنے والی بھی ہوتی تھیں پھر ظاہر ہے کہ اُنپر سجدہ کرنا کس قدر ناگوار ہوگا پھر بھی کسقدر کنکریوں پر ہاتھ پھیرنے کو منع فرمایا ہے پس اس زمانہ مین کہ مساجد میں سب طرح کی آسایش ہے پھر گرد وغبار یا خس وخاشاک کا نماز پڑھتے ہوئے دُور کرنا کتنا ممنوع ہونا چاہیئے۔

اور حضرت ابو صالح موسے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس تھا ایک انکے رشتہ دار ٹھون والے آئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے جب سجدہ کو جانے لگے تو پھونک ماری حضرت ام سلمہ نے فرمایا ایسا نہ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے ایک حبشی غلام کو فرمایا کرتے تھے اے افلح اپنے چہرے کو خاک آلود کر اسکو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ترمذی نے بواسطہ میمون ابو حمزہ ابو صالح کی روایت سے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ایک غلام جسکو افلح کہتے تھے دیکھا جب سجدہ کرتا تھا تو پھونک مارتا تھا فرمایا اے افلح اپنے چہرہ کو خاک آلود کر۔

اور ترغیب فی الصلوٰۃ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پہلے گزر چکا ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کسی حالت میں خدا کے نزدیک زیادہ محبوب نہین ہوتا بجز حالت سجدہ کے کہ اسکو سجدہ کرتے ہوئے چہرہ کو مٹی میں خاک آلود کرتے ہوئے دیکھتا ہے اسکو طبرانی نے روایت کیا ہے۔

نماز میں کوکھون پر ہاتھ رکھنے سے ترہیب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے اسکو بخاری مسلم ترمذی نے روایت کیا ہے اور مسلم ترمذی کے لفظ اس طرح ہیں کہ منع فرمایا ہے اس سے کہ آدمی مختصر ہو کر نماز پڑھے اور نسائی نے بھی اسی کے مانند روایت کیا ہے اور ابوداؤد نے زیادہ کیا ہے یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھکر

اور انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اختصار نماز میں جہنمیون کی راحت ہے اسکو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیحون میں روایت کیا ہے (اختصار کے ایک معنے کوکھ پر ہاتھ رکھکر کھڑا ہونا ہے اور ایک معنی نماز مختصر کرنا رکوع سجود تمام نہ کرنا ہے یہ دونون مکروہ اور منع ہیں اور ایک یہ بھی مراد ہوسکتی ہے قرأت کو مرتبہ مسنون سے کم پڑھنا یہ ایسا مذموم نہیں ہے)

نمازی کے آگے سے گزرنے کی ترہیب

حضرت ابوجہیم عبداللہ بن حارث بن الصمہ انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نمازی کے سامنے گزرنے والا جان لے کہ اس پر کتنا سخت گناہ ہے تو چالیس تک ٹھیرا رہنا اسکے لئے بہتر ہو اس سے کہ سامنے سے گزر جاوے ابونضر فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ چالیس دن فرمائے یا مہینے یا برس اسکو بخاری مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور بزار نے بھی روایت کیا ہے اسکے الفاظ یہ ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا جانے کہ اسپر کیا ہے تو بیشک یہ کہ چالیس سال کھڑا رہے اسکے لئے بہتر ہے اس سے کہ اسکے آگے سے گزر جائے اور اسکے راوی صحیح ہیں ترمذی نے کہا ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں البتہ یہ کہ تم میں سے کوئی سو برس تک ٹھیرا رہے تو اس سے بہتر ہے کہ اپنے بھائی کے آگے سے گزرے اور وہ نماز پڑھتا ہو۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ

۲۲۹

علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی جان لے کہ اپنے بھائی کے سامنے سے چلے اور وہ اپنے رب کے سامنے مناجات کرتا ہو۔ تو سو برس تک اسی جگہ کھڑا رہنا اسکو اس قدم رکھنے سے زیادہ پسندیدہ ہوگا اسکو ابن ماجہ نے اسناد صحیح سے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور یہ لفظ ابن حبان کے ہیں۔

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی کسی چیز کی آڑ میں نماز پڑھے کہ وہ اسکا لوگون سے سترہ ہو جاوے پھر کوئی اسکے سامنے سے گذرنا چاہے تو اسکی چھاتی میں دھکا دینا چاہیئے اگر پھر بھی نہ مانے تو اس سے لڑو (یعنی زبردستی روکو) اسواسطے کہ وہ شیطان ہے اور دوسرے لفظون میں اسطرح ہے جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہو کسی کو اپنے سامنے سے نہ گزرنے دے اور حتی الامکان اسکو دفع کرے اگر وہ انکار کرے تو اس سے لڑو اسواسطے کہ وہ شیطان ہے اسکو بخاری مسلم نے روایت کیا ہے یہ الفاظ مسلم کے ہین اور ابو داؤد نے بھی اسی کے قریب روایت کیا ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کسیکو اپنے سامنے سے نہ گزرنے دے اگر نہ مانے تو اس سے قتال کرو اُسکے ساتھ اسکا قرین ہے (یعنی شیطان ہے، جسکو ہمزاد کہتے ہیں) اسکو ابن ماجہ نے اسناد صحیح سے اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ انسان کا راکھ ہو جانا کہ ہوا میں اڑایا جائے اس سے بہتر ہے کہ کسی نماز پڑھنے والے کے سامنے سے قصداً گزرے اسکو عبد البر نے تمہید مین موقوف روایت کیا ہے۔

قصداً نماز چھوڑنے اور سستی سے نماز کو قضا کرنیسے ترہیب

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اور کفر کے درمیان علاقہ نماز چھوڑنا ہے (یعنی نماز

چھوڑنے کے بعد آدمی رفتہ رفتہ کافر ہو جاتا ہے) اسکو امام احمد نے روایت کیا ہے اور مسلم نے اس طرح روایت کیا ہے درمیان آدمی اور شرک وکفر کے علاقہ نماز چھوڑنا ہے اور ابوداؤد ونسائی کے یہ الفاظ ہین بندہ اور کفر کے درمیان کوئی علاقہ نہیں ہے بجز نماز چھوڑنے کے اور ترمذی کے لفظ یہ ہیں درمیان کفر اور ایمان کے نماز چھوڑنا ہے اور ابن ماجہ کے یہ لفظ ہین درمیان بندہ اور کفر وشرک کے ترک نماز ہے۔

اور حضرت بریدہ رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا فرماتے تھے ہمارے اور اُن (منافقوں) کے درمیان معاہدہ نماز ہے بس جس نے اسکو چھوڑ دیا کافر ہو گیا یعنی کفر کو ظاہر کر دیا اسکو امام احمد ابوداؤد ونسائی ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے اور ابن ماجہ نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے اور ہم اسمین کوئی علت نہیں پاتے۔

۲۳۱

اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں مجھکو میرے پیارے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سات باتون کی وصیت فرمائی ہے فرمایا ہے تم ہرگز شرک نہ کرنا اگرچہ تم کاٹے جلائے جاؤ یا سولی دئے جاؤ اور قصداً نماز کو مت چھوڑنا جس نے اسکو قصداً چھوڑ دیا امت سے خارج ہو گیا اور معصیت کے مرتکب مت ہو وہ خدا کا غصہ ہے اور شراب مت پینا وہ تمام خطاؤن کی سردار ہے الی آخر الحدیث اسکو طبرانی اور محمد بن نصر نے کتاب الصلوۃ میں دو اسنادون سے روایت کیا ہے جن میں کچھ نقصان نہیں ہے۔

اور حضرت عبد اللہ بن شقیق عقیلی رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں اصحاب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے اسکو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ بندے اور کفر وایمان کے درمیان نماز (فاصل) ہے جب وہ نماز ترک کر دیتا ہے تو شرک ہوجاتا ہے اسکو ہبتہ اللہ طبری نے

سند صحیح کے کیساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جسکے (پاس) نماز نہیں اسکے لئے اسلام میں کوئی حصہ نہیں اور جسکو وضو نہیں اسکی نماز (درست) نہیں اسکو بزار نے روایت کیا ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جسمیں امانت نہیں اُس میں ایمان نہیں اور جسمیں طہارت (و پاکی) نہیں اسکی نماز (کچھ) نہیں اور جسکے پاس نماز نہیں اُسکا دین (کچھ) نہیں دین میں نماز کا درجہ تو ایسا ہے جیسے جسم کے لئے سر اسکو طبرانی نے معجم اوسط وصغیر میں روایت کیا ہے اور کہا کہ حسین بن حکم حبری اسکی روایت میں منفرد ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجکو میرے حبیب (سیدنا رسول اللہ) صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ اللہ تعالےٰ کیساتھ شریک نہ کرنا اگرچہ تجکو کاٹ دیا جائے یا ڈبو دیا جائے اور فرض نماز کو عمداً نہ چھوڑنا کیونکہ جس نے اسکو چھوڑ دیا اُس سے (خدا کا) ذمہ بری ہو جاتا ہے اور شراب نہ پینا کیونکہ وہ ہر بدی (کے راستہ) کو کھولنے والی ہے اسکو ابن ماجہ اور بیہقی نے شہر (بن حوشب) سے ام درداء سے ابوالدرداء سے روایت کیا ہے (اور شہر بن حوشب میں کلام ہے مگر وہ حسن الحدیث ہیں ۱۲ مترجم)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب میری آنکھوں میں پانی اتر آیا تو لوگوں نے کہا ہم آپ کا علاج کر سکتے ہیں مگر آپ کو نماز چھوڑنی پڑے گی ابن عباس نے فرمایا نہیں (میں نماز نہ چھوڑونگا) کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو نماز کو چھوڑ دیگا وہ اللہ تعالےٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالےٰ اس پر غضبناک ہونگے اسکو بزار نے اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اسکی سند حسن ہے اور قامت العین اسوقت بولتے ہیں جبکہ نگاہ جاتی رہے مگر ڈھیلا صحیح سالم ہو۔

۲۳۲

(باقی آئندہ)

سلسلہ تسہیل المواعظ کا اٹھارہواں وعظ

مسمّیٰ بہ

قربانی کی ترغیب

منتخب از ترغیب الاضحیہ وعظ ششم دعوات عبدیت

حصہ سوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ ماثورہ۔ اما بعد فقد ورد فی حدیث طویل قالوا ما ھذہ الاضاحی یا رسول اللہ قال سنۃ ابیکم ابراھیم۔ "**ترجمہ**"۔ ایک بڑی حدیث مین آیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ان قربانیون کی کیا اصلیت ہے فرمایا کہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے اس حدیث کے متعلق یہ مضامین ہیں۔

(۱) یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے قربانی کی فضیلت مین مضمون مقصود سے پہلے ایک مضمون مناسب اسکے بیان کیا جاتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیسے کریم اور کیسے سخی ہیں کہ ہمارے نفع کی کوئی بات حضور نے بغیر بیان کئے نہیں چھوڑی قربانی۔ نماز۔ روزہ۔ حج زکوۃ۔ یہ سب احکام اسوقت ہم کو معمولی باتیں معلوم ہوتی ہیں اور ہم کو انکی کچھ قدر نہیں ایسے جیسی قدر کرنا چاہیئے اُس درجہ قدر نہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ہمیشہ سے ان باتون کو باپ دادا نے

سنتے چلے آئے ہیں مگر جن لوگوں کو تلاش کے بعد یہ دولت ملی ہو گی انکی کیا حالت ہوئی ہو گی۔ جیسے بھوکے آدمی کو اگر آدھی روٹی بھی ملجاتی ہے تو غنیمت سمجھتا ہے اور اگر معدہ خراب ہو گا تو اسکو پلاؤ زردے کی بھی قدر نہ ہو گی کیونکہ اسکو کھانے کی خواہش ہی نہیں چنانچہ صحابہ کے سوالات کے بعد جو جواب عنایت ہوئے انکو تو بعد طلب کے ملے اور ہم کو مفت مل گئے سو اس حدیث میں بھی ایسا ہی مضمون ہے صحابہ کے دل سے اسکی قدر پوچھو تو صحابہ کی طرح ہم کو بھی قدر کرنا چاہئے اور یہ مضمون ثواب عذاب کے وہ ہیں کہ کوئی چیز ان سے زیادہ نفع دینے والی نہیں اور باوجود نفعمند ہونے کے اسقدر آسان ہیں کہ کسی قسم کی تنگی ان میں نہیں اور ان کا آسان ہونا یہ خود دلیل ہے انکے نفع وضرورت کی کیونکہ جس چیز کا نفع زیادہ ہوتا ہے وہ بہت آسانی سے حاصل ہو جایا کرتی ہے دیکھو آدمی اور حیوانات کو سب سے زیادہ ضرورت ہوا کی ہے اگر ایک منٹ بھی ہوا نہ ہو تو کسی کی زندگی باقی نہ رہے مگر وہ اسقدر سستی ہے کہ اسکی کچھ قیمت ہی نہیں اسکے بعد پانی کی ضرورت ہے وہ اسقدر سستا نہیں لیکن اور چیزوں کے اعتبار سے سستا ہے اسکے بعد غذا کی ضرورت ہے وہ اس سے زیادہ گران ہے اور جس چیز کی بالکل ضرورت نہیں وہ نہایت گران ہے جیسے جواہرات کہ عمر بھر بھی اگر کسیکو نہ ملیں تو کچھ حرج نہ ہو چنانچہ سینکڑوں آدمی ایسے ہیں کہ وہ جانتے بھی نہیں کہ لعل کیا ہے اور زبرجد کس چیز کا نام ہے اسیطرح جو علم زیادہ کارآمد ہیں وہ نہایت آسانی سے حاصل ہو جاتے ہیں چنانچہ شریعت کے علوم بھی ایسے ہی ہیں کہ نہایت ضروری اور نفع مند ہونے کی وجہ سے نہایت آسان ہیں اور ہر جگہ انکے بتلانیوالے موجود ہیں اور وہ کوئی معاوضہ نہیں لیتے اور یہی بھید ہے کہ قرآن شریف کے تعلیم کرنیوالے کثرت سے پائے جاتے ہیں اور نہایت تھوڑی تنخواہ پر ملجاتے ہیں بخلاف اور علموں کے کہ انکے سکھانے والے کم ہیں اور بڑی بڑی تنخواہوں پر ملتے ہیں غرض دیکھنے کی چیز نفع ہے نہ کہ اور باتیں مثلاً یہ کہ مضمون خوب چٹ پٹا ہو جیسا کہ اکثر لوگ وعظ میں اسکو دیکھا کرتے ہیں کہ جسکے وعظ میں مزہ دار شعر ہوں تو اسے پسند کرتے ہیں اور اگر کوئی واعظ تر سے مسئلے سنا دے تو اس سے بھاگتے ہیں حالانکہ یہ زیادہ نفع مند ہے لیکن انکو کیا معلوم کہ ہمارے نفع کی کیا چیز ہے حق تعالےٰ کی بڑی رحمت ہے کہ ایسے مضمون ہم کو بتائے جو ہمارے کام آنیوالے ہیں اور بیکار اور غیر ضروری

مضمون ہم کو نہیں سکھائے یہ تمام تقریر اس لئے عرض کی گئی کہ جو مضمون اسوقت بیان کیا جائیگا
اسکو بیقدر اور معمولی نہ سمجھا جاوے حاصل یہ کہ ان فائدہ مند مضمونوں میں سے ایک مضمون یہ
بھی ہے جو حق تعالےٰ نے حضور کے ذریعہ سے ہم کو بتایا ہے حاصل اسکا یہ ہے کہ حضور
قربانی کے متعلق احکام بیان فرمارہے تھے صحابہ نے دریافت کیا کہ حضور یہ قربانیاں کیا چیز
ہین حضور نے فرمایا کہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے اس مضمون کو سنکر لوگ کہیں گے
کہ قربانی کی اسمیں کیا فضیلت ہوئی لیکن سمجھدار کے لئے یہ بڑی بھاری فضیلت ہے بلکہ جسقدر
فضیلتیں قربانی کی آئی ہیں ان میں سب سے زیادہ فضیلت یہی ہے چنانچہ ابھی آپ کو معلوم
ہوجاویگا اب سمجھیے کہ اس لفظ کے بڑہانے سے کیا غرض ہے کہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت
ہے صرف یہ کیوں نہ فرما دیا کہ حضرت ابراہیم کی سنت ہے انکے باپ ہونے کا ذکر کیوں کیا
بات یہ ہے کہ شفیق باپ بیٹے کو طرح طرح سے سمجھایا کرتا ہے اور ہر وقت اسی دھن میں رہتا ہے
کہ اسکو سمجھانا چاہیئے کہ اسپر اثر پڑے حضور چونکہ ہمارے روحانی باپ ہیں بلکہ باپ سے زیادہ
مہربان ہیں اسلئے حضور نے قربانی کی اس طریقہ سے ترغیب دی تاکہ زیادہ اثر ہو کیونکہ انسان
کی طبعی بات ہے کہ اسکو اپنے باپ دادا سے اور انکے رسم و رواج سے نہایت تعلق ہوتا ہے
اور اس رسم کا دل سے نکلنا بہت بھاری ہے چنانچہ جب کفار کو بت پرستی سے روکا
جاتا تھا یا آجکل کی رسموں سے مسلمانوں کو روکا جاتا ہے تو بڑا جواب یہ ہوتا ہے کہ صاحب ویرسے
اسی طرح ہوتی آئی ہے غرض خاندانی بات کی بڑی پنچ ہوتی ہے اسلئے حضور ترغیب دینے کیلئے
فرماتے ہیں کہ میاں قربانی تو کوئی باہر کی بات نہیں ہے یہ تو تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا
طریقہ ہے یہ تو خاندانی مذہب ہے اسکو کیوں چھوڑتے ہو دیکھا آپ نے کہ حضور کو اپنی امت پر
کس قدر شفقت ہے کہ کس طرح آپ ہم کو ترغیب دیتے ہیں تاکہ کسیطرح اثر ہوجاوے
خلاصہ یہ کہ حضور کو قربانی کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اب سنئے کہ اس حدیث سے قربانی
کی بڑی بھاری فضیلت معلوم ہوئی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے تعالےٰ کی
خوشنودی کیلئے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا ارادہ کرلیا تھا بلکہ جو انکے کرنے کا کام تھا
وہ انھوں نے کر بھی دیا تھا یعنے اپنے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دی تھی اور یہی سمجھکر چھری

پھیری تھی کہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں لیکن حق تعالےٰ نے بجائے انکے جنت سے ایک مینڈھے کو بھیجدیا جو اسمٰعیل علیہ السّلام کی جگہ ذبح ہوا لیکن انکو تو مینڈھے کے ذبح کرنے میں بھی وہی ثواب ملا جو بیٹے کو ذبح کرنے سے ملتا کیونکہ وہ تو اپنی طرف سے بیٹے ہی کو ذبح کر چکے تھے اور بیٹے کو خدا کی راہ میں نثار کرنیکا بڑا بھاری ثواب ہے کیونکہ شریعت کے قواعد سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس چیز کو خدا کی راہ میں خرچ کیا ہے وہ جسقدر زیادہ پیاری ہوگی اسیقدر زیادہ ثواب ملتا ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ بیٹے سے آدمی کو کسقدر محبت ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بیٹے کیساتھ اپنے نفس سے بھی زیادہ محبّت ہوتی ہے کیونکہ انسان اپنے لیے جو آرام چاہتا ہے وہ دوسرے کیلئے ہرگز نہیں چاہتا لیکن بیٹے کیلئے یون چاہتا ہے کہ ہرطرح کا آرام اسکو مجھ سے زیادہ ہو پس ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے وہ کام کیا کہ اس سے بڑھکر ہو نہیں سکتا تو ظاہر ہے کہ اسکا ثواب نہایت ہی عظیم الشان ہوگا بلکہ یون کہیئے کہ بے انتہا ثواب ہوگا اسکے بعد معلوم کرنا چاہیئے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قربانی کو حضرت ابراہیم کی سنت فرمایا ہے حال آنکہ حضرت ابراہیم نے تو بیٹے کے گلے پر چھری پھیری تھی اور قربانی میں جانور ذبح کئے جاتے ہیں پھر قربانی حضرت ابراہیم کی سنت کیسے ہوئی انکی سنت تو جب ہی ہوسکتی ہے جبکہ قربانی میں ہم کو وہی ثواب ملے جو حضرت ابراہیم کو بیٹے کے ذبح کرنے مین ملا تھا تو چونکہ دونون کا ثواب ایک درجہ کا تھا اسلیئے اسکو حضرت ابراہیم کی سنت فرمایا گویا یہ فرمایا کہ اے اُمت محمدیہ تم کو جانور کے ذبح کرنے میں وہی ثواب ملیگا جو ابراہیم علیہ السّلام کو بیٹے کے ذبح کرنے میں ملا تھا دیکھئے کسقدر فضیلت قربانی کی اس حدیث سے معلوم ہوئی اللہ اکبر کتنا بڑا انعام ہے اور اُمت محمدیہ پر حضور کی برکت سے کیسا کچھ لطف وکرم ہے قربانی کی یہ فضیلت تو ایسی ہے کہ اگر کسی کے ذمہ قربانی واجب بھی نہ ہو تو اس ثواب کے کمانے کیواسطے وہ بھی نہ چوکے اور جسطرح بن پڑے بغیر کئے نہ رہے آخر تو دنیا کے بہت سے کام بلا ضرورت صرف دل خوش کرنے کے لئے کرتے ہو اللہ تعالےٰ کی رضامندی کیلئے اگر تھوڑا سا خرچ کر دوگے تو کیا حرج ہوگا اور اگر ضرورت ہی پر مدار رکھتے ہو کہ جو کام فرض اور واجب ہین ہم تو وہی ادا کرینگے اور جو واجب نہیں انہیں بلا ضرورت کیون کریں تو

دُنیا کے کاموں میں بھی اسپر عمل کیوں نہیں ضرورت تو اسقدر ہے کہ زندگی باقی رکھنے کے
لائق جَو کی روٹی پر بس کرو اور جَو کی روٹی صرف اتنی کھا لیا کرو جس سے زندگی باقی رہے اور
گرمی سردی کی تکلیف سے بچاؤ کیواسطے گاڑھے گزی کا کپڑا ملجاوے پھر یہ پلاؤ زردے اور
کوفتے کیوں کھاتے ہو اور ململ و تنزیب و مخمل کیوں پہنتے ہو کیا ٹھکانا ہے اس بے انصافی کا
کہ نفس کے خوش کرنے کو تو غیر ضروری کام بھی کرلیں اور دین کے کاموں میں یہ پوچھتے ہیں
کہ صاحب کیا یہ بہت ہی ضروری ہے اسکے تو یہ معنے ہوئے کہ اگر اسکا چھوڑ دینا بہت بڑا گناہ
ہو تب تو کرلینگے ورنہ چھوڑ دینگے صاحبو! اعتقاد درست کرنیکے لئے تو بیشک ضرور پوچھو کہ یہ ضروری
ہے یا نہیں اگر ضروری ہو تو اُسکے ضروری ہونے کا اعتقاد رکھو اگر ضروری نہ ہو صرف ثواب
کی بات ہو تو اسکو غیر ضروری سمجھو کیونکہ ضروری کو ضروری سمجھنا واجب ہے اور غیر ضروری کو غیر ضروری
سمجھنا واجب ہے تو اعتقاد درست کرنے کیلئے تو یہ دریافت کرلو لیکن عمل کرنیکے لئے تو صرف
اتنا پوچھ لینا چاہیئے کہ کیا اللہ تعالےٰ اس سے خوش ہوتے ہیں اگر یہ معلوم ہو جائے
کہ اللہ تعالےٰ اس عمل سے خوش ہوتے ہیں تو بلا تامل چٹ پٹ رغبت سے اسکو کرو بعض
لوگ دین کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور نماز و روزہ وغیرہ میں مستعد ہیں لیکن روپیہ خرچ
کرنے کا جہاں وقت آیا تو وہ حیلے حوالے کرتے ہیں اسپر مجکو ایک حکایت یاد آئی کہ ایک
بدو کو کسی نے دیکھا کہ نہایت پریشان بدحواس ہے اور رو رہا ہے اور اسکے پاس ہی روٹیوں کا
تھیلا بھرا رکھا ہے کسی نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو کہا کہ میرا کتا بھوک سے مر رہا ہے اس
شخص نے کہا کہ تھیلے میں کیا ہے کہنے لگا روٹیاں ہیں اس نے کہا پھر اسکو کیوں نہیں دیتا
کہنے لگا کہ مجھے کتے کی اتنی محبت نہیں کہ اسکو روٹی دوں کیونکہ اسکو تو دام لگے ہیں صرف
آنسو بہانے کی محبت ہے کہ یہ تو مفت کے ہیں تو بعض لوگوں کی محبت کا دعوی بھی ایسا
ہی ہوتا ہے کہ جہاں اُنکا خرچ ہو وہاں ناداری ہوگی اور یہاں تو حقیقت میں ہمارا کچھ خرچ بھی نہیں
ہوتا کیونکہ صدقہ خیرات میں جو کچھ خرچ ہوتا ہے وہ کہیں جاتا نہیں جو کچھ ہے اپنے ہی لئے
ہے بلکہ قربانی تو ایسی چیز ہے کہ کچھ ہاتھ سے نکلتا بھی نہیں اسلئے کہ ثواب کیلئے یہ ضروری
نہیں کہ قربانی کے جانور کا گوشت پوست تقسیم ہی کردو بلکہ تم کو اختیار ہے خواہ تقسیم کردو

یا اپنے کام میں لاؤ ہاں بیچنے کی اجازت نہیں ہے غرض سب گوشت اپنے ہی پاس رکھو جب
بھی ثواب ملتا ہے اگر کوئی کہے کہ جب خدائے تعالےٰ خرچ کرا کر ہم سے کچھ لیتے بھی نہیں پھر کیوں
خرچ کراتے ہیں قربانی سے مقصود انکا کیا ہے اگر کہو کہ ہم کو گوشت کہلانا مقصود ہے تو مِنٰے
اور مکہ معظمہ میں ہزارون جانور ذبح ہوتے ہیں انکا تو کوئی گوشت بھی نہیں کھاتا ہزارون
جانور بالکل بیکار ہی جاتے ہیں اور کہتون مین دبائے جاتے ہیں تو بات اصل میں یہ ہے کہ
قربانی میں اصل تو یہ تھا کہ بیٹے کو ذبح کرین لیکن اوّل تو بیٹا سب کے ہوتا نہیں دوسرے
یہ کہ اگر سب کو یہ حکم ہوتا تو بہت کم ایسے نکلتے جو اسپر عمل کرتے یہ حق تعالےٰ کا فضل ہے
کہ بیٹے کو ذبح کرنے کی جگہ ہم کو جانور کے ذبح کرنے کا حکم کر دیا پس قربانی میں ایک پیاری چیز
کا خدا کی راہ میں صرف کرنا مقصود ہے تاکہ ہماری محبّت کا امتحان لیا جائے کہ اللہ کیواسطے
کون اپنی پیاری چیز خرچ کرتا ہے اور کون نہیں کرتا بس یہ مقصود ہے کھانا اور کہلانا مقصود
نہیں اس لئے اس جانور میں ایسی خوبیاں ہونی چاہئیں جسکی وجہ سے وہ بہت محبوب ہو کہ
خوب موٹا تازہ جانور ہو جسکو ذبح کرتے ہوئے کچھ تو دل دکھے جیسے بیٹے کے ذبح کرنے
میں دل دُکھتا ہے اور وہ جانور مریل نہ ہو کہ جسکے ذبح ہو جانے کو بھی غنیمت سمجھے کہ مرتا تو
یہ ضرور خیر اچھا ہوا اس سے بھی کام نکل آیا حضرت عمرؓ نے ایک اونٹنی ذبح کی تھی جسکی قیمت تین سَو
اشرفیان تھی پس یہ جو بعض لوگوں کی عادت ہے کہ رول خدل کم قیمت جانور ذبح کر دیتے
ہیں تو یاد رکھو کہ وہاں بھی تم کو ثواب ایسا ہی ملیگا اور جبکہ وہ لوٹ کر تم کو ہی ملیگا تو پھر کم قیمت
کیون ذبح کرتے ہو جسقدر اس میں خرچ کروگے اپنے ہی واسطے ہے اور یاد رکھو صدقہ سے
مال گھٹتا نہیں حدیث میں ہے کہ مَا نَقص مال من صدقۃ۔ ترجمہ۔ صدقہ کرنے سے مال
ہرگز کم نہیں ہوتا اور اسکے معنے یہ نہیں کہ اگر دس روپے پاس تھے صدقہ کے بعد بھی
وہ دس روپیہ جیب میں ہی رہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ صدقہ سے مال میں برکت ہوتی ہے
اور خدا اسکو کسی اور جگہ سے نفع دیتا ہے اور اسکا مال کام میں آتا ہے اگر صدقہ نہ دیتا تو
وہ اِدہر اُدہر ضائع ہو جاتا اور صدقہ دینے کے بعد جسقدر مال باقی رہتا ہے وہ سب اسی کے
کام میں آتا ہے اور اسمیں برکت ہوتی ہے اسلئے قربانی کے جانور کا گوشت اگر کھا نہیں

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا

نہ بھی آوے تب بھی قربانی کرنا بیکار نہیں کیونکہ قربانی سے مقصود یہ ہے کہ جو محبت ہم کو خدا تعالےٰ کے ساتھ ہے وہ ظاہر ہو جاوے اور وہ اس صورت مین بھی حاصل ہے جبکہ گوشت کسی کام میں نہ آئے بلکہ اس صورت مین محبت کا امتحان زیادہ ہے کہ خرچ بھی ہوا اور اس سے دنیا کا کچھ کام نہ نکلا پھر مال ضائع کہاں ہوا اور اگر کہا جاوے کہ جی دکھتا ہے کہ ہماری چیز یون ہی بیکار جاتی رہے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تمہاری چیز ہے کہان تم خود تو اپنے ہو ہی نہیں تمہاری چیز کہان سے آئی تم خود اللہ تعالےٰ کے غلام ہو غلام کسی چیز کا بھی مالک نہیں ہوا کرتا اگر کوئی کہے کہ جناب مال خرچ کرنے سے تو دل تنگ نہیں ہوتا بلکہ اس سے دل دکھتا ہے کہ جانور کی جان ضائع ہوتی ہے جواب یہ ہے کہ آپ بیفکر رہیئے جب خود مالک ہی ضائع کرائے تو آپ کون ہیں آپ بڑے دردمند نکلکر آئے ہیں بس اس وقت میں اسی بیان پر کفایت کرتا ہوں *

تمت

سلسلہ تسہیل المواعظ کا اٹھارہوان وعظ مسمے بہ قربانی کی ترغیب ختم ہوا۔ اب انیسوان وعظ انشاء اللہ تعالےٰ شوال المکرم ۱۳۴۵ھ سے شروع ہو گا *

(ا) دوسری قسم وہ جنکے نہ ہونے کو عقل ضروری اور لازم بتاوے مثلاً ایک مساوی ہے دو کا یہ امر ایسا لازم النفی ہے کہ عقل اسکو یقیناً غلط سمجھتی ہے اسکو ممتنع

(ج) اور پہنچ جاتے ہیں یعنی کسی کے خبر دینے سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ فلان ریلوے لائن ان شہرون کو جاتی ہے اور فلان وقت گاڑی چھوٹتی ہے اس میں بے تردد بیٹھ جاتے ہیں اور پہونچ جاتے ہیں اور وہان کا جو کام کرنا ہوتا ہے وہ بھی ہم کسی کی خبرون ہی کے ذریعہ سے (دلیل نقلی سے) ہی پورا کرتے ہیں مثلاً کوئی بتاتا ہے کہ تم کو جو سودا خریدنا ہے فلان دکان سے ملیگا وہین پہونچ جاتے ہیں اور وہ سودا مل جاتا ہے پھر کوئی بتاتا ہے کہ اسکو گھر بھیجنے کی یہ صورت ہے کہ بیل گاڑی فلان جگہ ملیگی اور گاڑی والا لاد کر ریلوے گودام میں پہنچا دیگا وہان سے روانہ ہو کر تمہارے شہر میں پہونچ جائیگا سب کام جو ہم چاہتے ہیں اسیطرح ہو جاتا ہے یہ سب کا ہے سے ہوا نقلی دلیلون سے ہماری بود و باش. حفاظت. حقوق معاملات تجارت ملک گیری اور ملک داری سب ان ہی نقلی دلیلون کی بدولت ہے حاکم حقوق دلاتا ہے تو شہادت کے ذریعہ سے اور شہادت خبر کا نام ہے اور خبر ہی کو نقل یا نقلی دلیل کہتے ہیں غرض دلیل نقلی ثبوت کیلئے کافی اور رائج اور کار آمد ہے مگر یہ یاد رہے کہ خبر (نقلی دلیل) سے مراد خبر صحیح ہے افواہی اور بے بنیاد اور غیر معتبر خبروں سے کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا یہ قید بالکل بدیہی ہے تو دو قسم کی دلیلیں ہوئیں عقلی اور نقلی دونون کی تشریح اچھی طرح کر دی گئی ان دونون میں تعلق یہ ہے کہ کہیں دلیل عقلی یقین کے ساتھ حکم کرتی ہے خواہ وجود کے ساتھ یا نفی کے ساتھ اور کہیں صرف یہ حکم کرتی ہے کہ اسکا وجود بھی ہو سکتا ہے اور نفی بھی ہو سکتی ہے تو واقعات جن پر عقلی دلیل قائم کیجاتی ہے تین قسم کے ہوتے ایک وہ جنکے ہونے کو عقل ضروری اور لازم بتلاوے مثلاً یہ کہنا کہ ایک آدھا ہے دو کا اسپر عقل پورے یقین کے ساتھ حکم کرتی ہے کہ واقع میں ایسا ہی ہے اور اسکے خلاف نہیں ہو سکتا کیونکہ دو کہتے ہی انکو ہیں جسمیں ایک اور ایک دو ہوں تو دو کل ہوا اور ایک اس کا آدھا تو اگر کوئی یون کہے کہ ایک آدھا دو کا نہیں ہے تو یہ معنے ہونگے کہ ایک کی ماہیت ایک مین موجود نہیں اور یہ یقیناً غلط ہے ایسی بات کو جسپر دلیل عقلی وجود کا حکم یقین کے ساتھ لگاوے واجب کہتے ہیں اور دوسری قسم واقعات کی یہ ہے کہ انکے نہ ہونے کو عقل ضروری اور یقینی لازم

۳۳

(ا) اور محال کہتے ہیں تیسری قسم وہ جنکے نہ وجود کو عقل لازم بتا وے اور نہ نفی کو ضروری سمجھے بلکہ دونوں شقوں کو محتمل قرار دے اور ہونے نہ ہونے کا حکم کرنے کیلئے کسی اور دلیل نقلی پر نظر کرے مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شہر کا رقبہ فلاں شہر سے زائد ہے ایسا امر ہے کہ قبل جانچ کرنے یا جانچ والوں کی تقلید کرنے کے عقل نہ اسکی صحت کو ضروری قرار دیتی ہے اور نہ اسکے بطلان کو بلکہ اسکے نزدیک احتمال ہے کہ یہ حکم صحیح ہو یا غلط ہو اسکو ممکن کہتے ہیں پس ایسے امر ممکن کا ہونا اگر دلیل نقلی سے

(ح) بتا وے مثلاً یہ کہنا کہ ایک برابر ہے دو کے کہ عقل اسکو قطعی اور یقینی طور پر نفی کرتی ہے اور غلط کہتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے ایسے واقعات کو ممتنع (ناممکن) اور محال کہتے ہیں تیسری قسم واقعات کی وہ ہے جنکو عقل نہ ضروری کہتی ہے کہ انکا ہونا یقینی ہو اور نہ انکو ممتنع اور محال کہتی ہے کہ انکے نہ ہونے پر یقین کرے کہ انکا ہونا یقیناً غلط ہے ایسے واقعات کو ممکن کہتے ہیں چونکہ عقل کے نزدیک ایسے واقعات کے متعلق دونوں جانبین یعنی ہونا نہ ہونا برابر ہے اسواسطے انکا ثبوت دلیل نقلی یعنی خبر دینے سے ہو سکتا ہے پس اگر کوئی ایسے واقعات کی خبر دے تو اسکی تردید عقلی دلیل سے نہیں کر سکتے کیونکہ یہ بات مانی جا چکی ہے کہ ان واقعات میں عقل ساکت ہے نہ کوئی وجہ عقل کے پاس انکے وجود کو ثابت کرنے کی ہے نہ انکے عدم کو ثابت کرنیکی اب اس خبر کو عقل سے جھٹلانے کے کوئی معنے نہیں ہو سکتے اور نہ اسکی خبر دینے والے سے دلیل عقلی کا مطالبہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بات پہلے طے ہو چکی ہے کہ عقل اسکے دونوں جانب کو برابر کہتی ہے ہاں خبر دینے والے کی کوئی تسکین بخش دلیل ہونی چاہیئے اسکی مثال یہ ہے کہ کوئی کہے کہ فلاں شہر کا رقبہ فلاں شہر سے بڑا ہے یہ بڑا ہونا ایسی بات ہے کہ محض عقل کسی کے بتانے اور خبر دینے یا جانچ کرنیسے پہلے نہ اسکے ہونے کی تصدیق کر سکتی ہے کہ یقین کے ساتھ کہدے کہ بڑا ہونا صحیح ہے اور ضرور بڑا ہے اور نہ اسکے نہ ہونے کی تصدیق کر سکتی ہے کہ یقین کے ساتھ کہدے کہ بڑا ہونا غلط ہے اور بڑا نہیں ہے عقل دونوں احتمالوں کو جائز رکھتی ہے اور کہتی ہے کہ ممکن ہے کہ بڑا ہو اور ممکن ہے کہ بڑا نہ ہو اس صورت میں نقل جو کچھ حکم کریگی اسکو عقل کو بھی ماننا پڑیگا یعنی اسکے متعلق کوئی معتبر آدمی خود جانچ کرکے یا معتبر جانچ کرنیوالوں سے سُنکر جو کچھ کہے اسکو صحیح سمجھنا چاہیئے یہ ایسا صحیح

(ا) صحیح ثابت ہو تو اسکے ثبوت اور وقوع کا اعتقاد واجب ہے اور اگر اسکا نہ ہونا ثابت ہو جاوے تو اسکے عدم وقوع کا اعتقاد ضروری ہے مثلاً مثال مذکور میں جانچ کے بعد کہیں اسکو صحیح کہا جائیگا کہیں غلط اسیطرح آسمانون کا اس طور سے ہونا جیسا جمہور اہل اسلام کا اعتقاد ہے عقلاً ممکن ہے یعنی صرف عقل کے پاس نہ تو اسکے ہونے کی کوئی دلیل ہے اور نہ ہونے کی کوئی دلیل ہے عقل دونون

(ح) اور مسلم اصول ہے کہ تمام دنیا کے کام اسی پر چل رہے ہین جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ کلکتہ کی خبر سنکر ہم جاتے ہیں اور مال لے آتے ہیں اور تمام تجارتیں اور کاروبار اسی پر چل رہے ہیں اور تمام حقوق کی حفاظت اسی پر ہو رہی ہے اور سلطنت کا قیام اسی پر ہے حاکم کے سامنے ایک شخص دعوی کرتا ہے کہ زید نے مجھکو مارا ہے وہ عقل سے پوچھتا ہے تو عقل اس واقعہ کے متعلق ساکت رہتی ہے اور کہتی ہے کہ ممکن ہے کہ مارا ہو اور ممکن ہے کہ نہ مارا ہو اسواسطے نقل کو تلاش کرتا ہے کہ یہ خبر صحیح ہی یا نہیں اگر نقل صحیح مارنے کی ملجاتی ہے یعنی شہادت قابل اعتبار بہم پہنچ جاتی ہے تو مارنے کو ثابت مان لیتا ہے اور مدعی علیہ کو سزا دیتا ہے اور اگر نقل صحیح یعنی شہادت کافی مارنے کی نہیں ملتی تو واقع کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتا ہے یعنے مارنے کو بے ثبوت سمجھکر مدعا علیہ کو چھوڑ دیتا ہے غرض سارے کام اسی اصول پر مبنی ہیں کہ جو بات عقلاً ممکن ہو اسکو نقل کے موافق صحیح یا غلط ماننا پڑتا ہے جب یہ اصول ثابت ہو گیا تو شریعت کی بہت سی باتیں واجب التسلیم ہو جاوینگی مثلاً آسمانون کا وجود اسطرح سے جیسا کہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ یہ عقلاً ممکن ہے اور نقلاً اسکی خبر آئی ہے لہذا ماننا چاہیئے کہ واقع میں ایسا ہی ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ قرآن شریف میں ہے خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن۔ ترجمہ پیدا کیا حق تعالے نے سات آسمانون کو اور زمین بھی اتنی ہی یعنی سات اور دوسری آیت میں زیادہ تفصیل کیساتھ مذکور ہے وہ آیت یہ ہے قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون

لہ اندادا ذلک رب العلمین وجعل فیھا رواسی من فوقھا وبارک فیھا وقدر فیھا اقواتھا فی اربعۃ ایام سواء للسائلین ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا اوکرھا قالتا اتینا طائعین فقضٰھن سبع سموات فی یومین واوحی فی کل سماء امرھا

۳۵

(ا) احتمالون کو تجویز کرتی ہے اسلیئے عقل کو اسکے وقوع یا عدم وقوع کا حکم کرنیکی لیئے دلیل نقلی کی طرف رجوع کرنا پڑا چنانچہ دلیل نقلی قرآن وحدیث سے اسکے وقوع پر دلالت کرنیوالی ملی اسلیئے اسکے وقوع کا قائل ہونا لازم اور واجب ہے۔

(ح) وزینا السماء الدنیا بمصابیح وحفظا ذلك تقدیر العزیز العلیم ط- ترجمہ۔ کہئے انسے کہ کیا تم ایسی ذات کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں بنایا اور اسکے لیئے شریک ٹھیراتے ہو یہ ذات رب العلمین ہے اور زمین مین بوجھ (پہاڑ) اوپر سے قائم کئے اور برکت (نشو ونما کی قوت) رکھی اور رزق (اہل زمین کے) اسمین مقدر کر دیئے۔

پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف اور وہ اسوقت دھوین کی صورت میں تھا اور فرمایا اس سے اور زمین سے کہ تم میرا حکم مانو خوشی سے یا جبر سے دونون نے عرض کیا ہم خوشی سے فرمانبردار ہیں پس آسمانون کو سات طبق بنا دیا اور ہر آسمان میں اسکے تمام کام مقرر فرما دیئے یہ زبردست اور جاننے والے کا مقرر فرمانا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان سات ہیں اور یہ کہ وہ مجسم چیزین ہیں پہلے مادہ انکا دھوین کی شکل میں تھا پھر اسکے ساتھ مجسم طبق بنا دیئے گئے (جیسے بادل کا مادہ بخارات ہیں وہ منجمد ہوکر بادل بنجاتے ہیں) اسمیں رد ہے آجکل کے لوگون کے خیال کا کہ آسمان منتہائے نظر ہے کوئی موجود فی الخارج چیز نہیں اول تو دھواں ہی موجود اور جسم دار چیز ہے پھر اسکے سات طبق بنائے گئے سات منتہائے نظر کے کیا معنے ہوسکتے ہیں اور دوسری آیت میں ہے وجعلنا السماء سقفا محفوظا۔ ترجمہ بنایا ہم نے آسمان کو محفوظ چھت۔ اور ایک آیت میں جنات کا قول نقل فرمایا ہے وانا لمسنا السماء فوجدناها ملئت حرسا شدیدا وشهبا ترجمہ۔ ہم نے آسمان کو چھو کر دیکھا تو اسکو سخت چوکیدارون سے اور شہابون سے بھرا ہوا پایا اور ایک آیت مین ہے والسماء بنیناها باید۔ ترجمہ ہم نے آسمانون کو بنایا بڑی قوت سے اس مضمون کی آتیں بہت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان مجسم چیزیں ہیں اور احادیث میں جا بجا آیا ہے کہ آسمانون میں دروازے ہیں جن میں سے فرشتے اترتے اور چڑھتے ہیں حدیث معراج میں تصریحا آیا ہے کہ جس آسمان پر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لیجاتے اس کا دروازہ حضرت جبریل علیہ السلام کھلواتے تھے ظاہر ہے کہ دروازہ ایسی چیز میں ہو سکتا ہے

۳۶

(ح) جو مجسم اور موجود فی الخارج ہو غرض شریعت میں صاف طور پر خبر آئی ہے کہ آسمان ایک مجسم اور موجود چیز ہے اور عقلاً اسکا وجود اور مجسم ہونا ممکن ہے یعنی عقل نہ اُسکا وجود ثابت کرنے پر کوئی دلیل رکھتی ہے نہ اسکے وجود کو کسی دلیل سے غلط ثابت کر سکتی ہے تو حسب قاعدہ مسلمہ مذکورہ نمبر ۲ ضروری ہوگا کہ آسمان کے اسی طرح کے وجود کے قائل ہون اور اسکے خلاف عقیدہ رکھنا غلط عقیدہ ہوگا۔

اسپر ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ عقل تو بیشک آسمان کے وجود کو ممکن کہتی ہے یعنی نہ اسکے وجود پر کوئی دلیل رکھتی ہے نہ عدم پر لیکن ایک دلیل نقلی آسمان کے نہ ہونے کی موجود ہے تو حسب قاعدہ مسلمہ مذکورہ آسمان کے عدم کا قائل ہونا چاہیئے وہ دلیل نقلی فیثاغورسی حکیم کی تحقیقات ہے کہ اسنے تمام سیاروں کی حرکتیں اور تاثیرات اور کل نظام عالم کا نقشہ ایسا قائم کرکے دکہادیا ہے کہ آسمان کے وجود کی ضرورت ہی نہیں رہتی یہ سب چیزیں جو کچھ حرکت وغیرہ کرتی ہیں وہ سب خلا مین خطوط مفروضہ پر کرتی ہیں یہ بھی ایک خبر ہے، اور خبر کو دلیل نقلی کہتے ہیں تو دلیل نقلی اس بات کی پائی گئی کہ آسمان موجود نہیں لہذا اسیکا قائل ہونا چاہیئے کہ آسمان کا کچھ وجود نہیں اسکا جواب یہ ہے کہ فیثاغورسی کی تحقیقات کا ماحصل اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ یہ حرکتیں اور کل نظام اسطرح بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب چیزیں خلا میں کشش سے قائم ہون اور حرکت کرنے والی چیزون کی حرکت خطوط مفروضہ پر ہو یعنی آسمان کا وجود ہو یا نہ ہو یہ نظام ہو سکتا ہے آسمان کے وجود پر موقوف نہیں سو کسی واقعی بات کا کسی دوسری بات پر موقوف نہ ہونا اسکی دلیل نہیں ہو سکتی کہ دوسری بات موجود بھی نہیں مثلاً یون کہا جاوے کہ زید کا مجلس میں آنا عمرو کے آنے پر موقوف نہیں تو اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ عمرو کا وجود بھی نہیں بلکہ اس سے یہ بھی نہیں ثابت ہوتا کہ عمرو اس مجلس میں نہیں آیا ممکن ہے کہ آیا ہو اسکا مطلب تو صرف یہ ہے کہ یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ زید جبھی آوے جبکہ عمرو بھی آوے اور اس سے سکوت ہے کہ عمرو موجود ہے یا نہیں اور مجلس میں آیا یا نہیں اگر کسی اور دلیل سے مثلاً کسی معتبر خبر سے آنا ثابت ہو جاوے تو اسکا اعتبار ہوگا اور نہ آنا ثابت ہو جاوے تو نہ آنا مانا جائیگا اب فرض کرو کہ حاکم کسی گواہ سے عدالت میں سوال کرے کہ زید تو فلان مجلس

۳۷

(ا) اور اگر فیثا غورسی ہی نظام کو اسکے عدم وقوع کی دلیل نقلی سمجھی جاوے تو یہ محض ناواقفی ہے کیونکہ اسکا مقتضا غایت ما فی الباب یہ ہے کہ اس حساب کی درستی آسمانوں کے وجود یا حرکت پر موقوف نہیں سو کسی امر واقعی کا کسی امر پر موقوف

(ح) میں گیا تھا عمرو کی نسبت تم کیا جانتے ہو کہ وہ بھی گیا تھا یا نہیں اور اگر گواہ اسکے جواب میں کہے کہ میں قسم کھاتا ہوں اور مجھے پورا یقین ہے اور میرے نزدیک ثابت ہے کہ زید کا جانا عمرو کے جانے پر موقوف نہیں تو کیا یہ حاکم کے سوال کا جواب ہو جاویگا اور کیا اس سے حاکم یہ مطلب سمجھ سکتا ہے کہ عمرو وہاں نہیں گیا تھا ہرگز نہیں اسیطرح اگر فیثا غورسی نے ثابت کر دیا کہ نظام سیارات وغیرہ محض خلا میں ہو سکتا ہے اور آسمان کے وجود پر موقوف نہیں تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ آسمان کا وجود بھی نہیں فیثا غورسی اگر اسکا قائل بھی ہو کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں تو اسکے پاس اسکی کوئی دلیل نہیں اور نہ اسکے اس نظام قائم کرنیکا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ میں وجود آسمان کا قائل نہیں ایک مثال تحصیلدار کی حضرت مصنف مدظلہ نے بھی دی ہے وہ بہت ظاہر ہے۔ **تنبیہ** اس اصول موضوعہ نمبر ۲ سے تمام ان شبہات کا حل ہو جاتا ہے جو جنت دوزخ۔ پلصراط۔ فرشتوں۔ جنوں۔ میزان۔ معراج شریف وغیرہ پر کئے جاتے ہیں حل کی تقریر یہ ہے کہ یہ سب چیزیں عقلاً ممکن ہیں بایں معنی کہ عقل کے پاس نہ کوئی دلیل انکے واقع ہونے کی ہے نہ انکے واقع نہ ہو سکنے کی لہذا عقل ساکت ہوئی اور نقل نے انکے واقع ہونے کی خبر دی ہے تو انکا ماننا ضروری ہوا جیسا کہ مشرح بیان ہوا اور ان شبہات کا حل دیگر اصول موضوعہ سے بھی ہوگا جیسا کہ آگے آتا ہے۔

۳۸

آجکل خلاف عقل کا لفظ نئے تعلیم یافتہ اصحاب کی زبانوں پر ایسا چڑھا ہے کہ شریعت کی اکثر باتوں پر بیدھڑک بول اٹھتے ہیں نہ اسکی حقیقت اور مفہوم سمجھتے ہیں نہ اسکا موقع استعمال عذاب قبر وجود ملائکہ وجود جنات وغیرہ کی جب گفتگو آتی ہے تو فوراً یہی لفظ زبان پر آتا ہے کہ یہ خلاف عقل باتیں ہیں پچھلے زمانہ میں تعلیم نہ تھی لوگ سیدھے اور بھولے تھے جیسا کہئے کہا مان لیتے تھے آجکل بال کی کھال نکالی جاتی ہے ہر بات کی دلیل مانگی جاتی ہے اب ایسی باتیں جلدی سے نہیں مانی جاتیں اسمیں غلطی یہ ہے کہ خلاف عقل کے معنے صحیح نہیں

(ا) نہ ہونا دلیل اسکے عدم کی نہیں مثلاً کسی واقعی کلام کا تحصیلدار پر موقوف نہ ہونا اسکی دلیل کب ہوسکتی ہے کہ شہر میں تحصیلدار موجود بھی نہیں غایت مافی الباب یہ ہے کہ اسکا ہونا تحصیلدار کی موجودگی کی بھی دلیل نہیں لیکن دوسری دلیل سے تو اسکی موجودگی پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

نمبر ۵۔ محال عقلی ہونا اور چیز ہے اور مستبعد ہونا اور چیز ہے۔ محال خلاف عقل ہوتا ہے اور مستبعد خلاف عادت۔ عقل اور عادت کے احکام جدا جدا ہیں دونوں کو ایک سمجھنا غلطی ہے محال کبھی واقع نہیں ہوسکتا مستبعد واقع ہوسکتا ہے محال کو خلاف عقل کہینگے اور مستبعد کو غیر مدرک بالعقل۔ ان دونوں کو ایک سمجھنا غلطی ہے

صرف عقل سے نہ دریافت ہونیوالا ۱۲

(ح) سمجھے ایک خلاف عقل ہوتی ہے اور ایک خلاف عادت۔ خلاف عقل اسکو کہتے ہیں جسکا وجود ناممکن ہونے پر دلیل عقلی موجود ہو ایسی چیز کے اگر کوئی موجود ہونے کی خبر دے تو اسکو جھٹلا سکتے ہیں بلکہ جھٹلانا ضروری ہے مثلاً کوئی کہے کہ ہم نے فلاں مقام پر رات اور دن دونوں کو ایک وقت میں جمع دیکھا ہے تو اسمیں چونکہ اجتماع ضدین لازم آتا ہے اور اجتماع ضدین عقلاً ناممکن ہے اس وجہ سے اسکو فوراً جھٹلا دینگے اور اسکو سچا سمجھنا غلطی ہے یا کوئی کہے کہ ایک مساوی ہے دو کے تو چونکہ اسکے ناممکن ہونے پر دلیل عقلی موجود ہے اسواسطے جھٹلا دینگے اور کہینگے یہ خلاف عقل ہے جیسا کہ اصل نمبر ۱ میں بھی گذرا اور خلاف عادت اسکو کہتے ہیں کہ کسی بات کو ایک طریقے پر دیکھتے چلے آتے ہیں لیکن کوئی دلیل عقلی ایسی موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوجاوے کہ اسکے خلاف ہونا ناممکن ہے یعنی اسکے خلاف ہونے سے کوئی عقلی محال لازم آئیگا اسکا اثر یہ ہے کہ خلاف عادت کوئی چیز دیکھنے یا سننے سے اول اول تعجب اور حیرت ہوتی ہے اور بار بار دیکھنے اور سننے سے وہ بھی داخل عادت ہوجاتی ہے پھر وہ تعجب جاتا رہتا ہے مثلاً عادت یہ ہے کہ آدمی کا قد چھ سات فیٹ کا ہوتا ہے اگر کوئی خبر دے کہ ایک آدمی دو سو فیٹ قد کا موجود ہے تو بڑی حیرت اور تعجب ہوگا یہ فطری امر ہے لیکن کسی ایسے آدمی کو جو عقل رکھنے کا دعوی رکھتا ہو یہ کہنا روا نہیں کہ یہ خبر غلط ہے اس بنا پر کہ اتنا لمبا قد ہونا خلاف عقل ہے اگر کوئی ایسا کہے تو اس سے مطالبہ کیا جائیگا کہ وہ دلیل بیان کرو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے اور ایسی دلیل عقلی کبھی نہیں ملسکتی

۲۹

(۱) شرح۔ محال وہ ہے جسکے نہ ہونے کو عقل ضروری تبلاوے اسکو ممتنع بھی کہتے ہیں جسکا ذکر مع مثال اصل موضوع نمبر ۲ میں آچکا ہے اور مستبعد وہ ہے جسکے وقوع کو عقل جائز تبلاوے مگر چونکہ اسکا وقوع کبھی دیکھا نہیں دیکھنے والون سے بکثرت سُنا نہیں اسلئے اسکے وقوع کو سُنکر اوّل وہلے میں متحیر و متعجب ہو جاوے جسکا ذکر مع مثال اصل موضوع نمبر ۱ میں کسی چیز کے سمجھہ میں نہ آنے کے عنوان سے کیا گیا ہے انکے احکام جُدا جُدا یہ ہیں کہ محال کی تکذیب و انکار محض بنا بر محال ہونیکے واجب ہے اور مستبعد کی تکذیب و انکار محض بنا بر استبعاد کے جائز بھی نہیں البتہ اگر علاوہ استبعاد کے دوسرے دلائل تکذیب کے ہون تو تکذیب جائز بلکہ واجب ہے

(اچنبھے کی بات ہونا ۱۲)

(ح) دیکھئے اس شخص کے سامنے جس نے ہمیشہ گاڑی کو بذریعہ بیلون کے چلتے دیکھا ہو یہ کہنا کہ ریل ایک گاڑی ہے جو بلا بیلون کے چلتی ہے موجب تعجب و حیرت ضرور ہوگا لیکن اسکا یہ مونہہ نہیں کہ کہدے یہ غلط ہے اور خلاف عقل ہے کیونکہ کوئی عقلی دلیل ایسی اسکے پاس نہیں ہے جو اس کو محال ثابت کرونے یہ ہے حل تعلیم یافتہ اصحاب کی غلطی کا کہ خلاف عادت کا نام خلاف عقل رکھا ہے اور بات بات پر خلاف عقل کا لفظ بول اٹھتے ہیں تعجب یہ ہے کہ یہ زمانہ تعلیم و ترقی کا کہا جاتا ہے بہت سی ایجادیں ایسی ہو چکی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں جنپر ان اصحاب کی عادت کے موافق خلاف عقل کا لفظ پوری طرح صادق آتا ہے اگر ایجاد سے پہلے ان ہی اصحاب کو خبر دیجاتی مثلاً یہ کہا جاتا کہ کوئی آدمی ہوا میں معلق سفر کر رہا تھا تو فوراً یہی کہتے کہ تم باولے ہوا ایسی بات کہتے ہو آدمی کیا کوئی پرند ہے جو ہوا میں اڑ سکے لیکن اب دن رات اپنی آنکھون سے دیکھتے ہیں کہ ہوائی جہاز میں لوگ سفر کرتے ہیں اور ہوا میں معلق رہتے ہیں پرند بھی اتنی دیر ہوا میں نہیں رہ سکتا جتنی دیر یہ رہتے ہیں اور نہ اتنا اونچا جا سکتا ہے جتنا یہ جاتے ہیں اب خلاف عقل موافق عقل ہو گیا سمجھنے کی بات یہ ہے کہ آجکل ایجاد کا زمانہ ہے اور ایجاد اور صنعت و حرفت کو نہایت استحسان کی نظر سے دیکھا جاتا ہے لیکن یہ کوئی غور نہیں کرتا کہ ان ایجادون کی بنا کا ہے پر ہے تمام ایجادون کی بنا اسی زرین اصول پر ہے جسکو حضرت مصنف مدظلہ نے نمبر ۳ قرار دیا ہے یعنی محال اور چیز ہے اور مستبعد اور محال کا وجود نہیں ہو سکتا اور مستبعد کا وجود ہو سکتا ہے۔

۴۰

(باقی آیندہ)

در دولت بیدار شد مے خسپ خوش نیست غائب ناظرت از ہفت وشش

یعنی اور اگر تیرا دل بیدار ہو جاوے تو پھر خوب سو پھر تیری نظر تھوڑے بہت کسی سے غائب نہیں ہے مطلب یہ کہ بعد مجاہدہ و ریاضت کے اگر کچھ آرام زیادہ بھی کرو تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے مگر قبل نفس کے رام ہونے کے تو ذرا مجاہدہ و ریاضت کرو اور اسکی تدبیر یہی ہے کہ حقوق نفس تو ادا کرے مگر حظوظ میں مبالغہ نکرے اسی سے سب کچھ انشاء اللہ حاصل ہو جاویگا ہاں اسکے ساتھ جو اور شرائط ہیں وہ ہیں ہی۔

گفت پیغمبر کہ خسپد چشم من لیک کے خسپد دلم اندر وسن

یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری آنکھ تو سو رہتی ہے مگر میرا قلب اونگھ میں کب سوتا ہے یعنی آپکی نیند بھی مشابہ اونگھ کے ہوتی تھی جیسے کہ ہم لوگون کا وضو اونگھ سے نہیں ٹوٹتا اسیطرح آپ کا وضو سونے سے نہ جاتا تھا اسلئے کہ آپکی نیند بھی مثل اونگھ کے ہے اسلئے کہ آپکا قلب بیدار ہی رہتا تھا۔

۲۲۵

شاہ بیدارست حارس خفتہ گیر جان فدائے خفتگان دل بصیر

یعنی بادشاہ کو بیدار اور پاسبان کو سویا ہوا فرض کرو ہماری جان ان سوئے ہوؤں پر فدا ہو جنکا دل بصیر ہے مطلب یہ کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ چوکیدار جاگتا ہے اور بادشاہ سوتا ہے مگر یہاں قلب جو کہ مشابہ بادشاہ کے ہے جاگتا ہے اور آنکھ جو کہ مثل پاسبان کے ہے سوتی ہے یہ عجیب الٹی بات ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

وصف بیداری دل اے معنوی در نگنجد در ہزاران مثنوی

یعنی اے معنوی بیداری دل کا وصف تو ہزاروں مثنویوں مین بھی نہ سما دیگا لہذا اسکو یہیں تک بیان کرکے آگے پھر ان ساحرون کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

چون بدیدندش کہ خفتست او دراز بہر دزدی عصا کردند ساز

یعنی جب انھون نے دیکھا کہ وہ لمبے لمبے سو رہے ہین تو عصا کے چورانے کا سامان کیا۔

ساحران قصد عصا کردند زود کز پسش باید شدن آنگہ ربود

یعنی ساحرون نے جلدی سے عصا (کے چورانے) کا قصد کیا کہ انکے پیچھے سے جانا چاہیئے اور اسکو اچک لینا چاہیئے اسلئے کہ سامنے جانے میں تو خوف تھا کہ وہ شاید جاگتے ہون تو دیکھ لیں لہذا یہ تدبیر کی۔

اندکے چون بیشتر کردند ساز اندر آمد آن عصا در اہتزاز

یعنی جب تھوڑا سا زیادہ سامان کیا تو وہ عصا ہلنے میں آیا یعنی جب وہ ذرا اور قریب پہونچے تو اس عصا نے ہلنا شروع کیا۔

۲۲۶

آنچنان بر خود بلرزید آن عصا کان دو بر جا خشک گشتند از وجا

یعنی وہ عصا خود بخود اس طرح ہلا کہ وہ دونون اپنی جگہ ہی پر ڈر کے مارے سوکھ گئے۔

بعد ازان شد اژدہا و حملہ کرد ہر دو آن بگریختند و روئے زرد

یعنی بعد اُس (ہلنے) کے وہ اژدہا ہو گیا اور اس نے حملہ کیا تو وہ دونون روئے زرد ہو کر بھاگے روئے زرد ہو کر بھاگنے سے مراد خائف ہو کر بھاگنا ہے۔

رو در افتادن گرفتند از نہیب غلط غلطان منہزم اندر نشیب

یعنی انھون نے ڈر کے مارے گرنا شروع کیا اور لڑھکتے پڑھکتے نشیب میں کو بھاگنے والے یعنی نشیب میں کو بھاگ رہے تھے تا کہ اس اژدہا کی نگاہ سے اوجھل ہو جاویں۔

پس یقین شان شد کہ ہست از آسمان زانکہ میدیدند حد ساحران

یعنی پس انکو یقین ہوگیا کہ آسمان ہی سے ہے اسلیئے کہ انھون نے ساحرون کی حد تو دیکھی تھی مطلب یہ کہ وہ سحر کو تو پہچانتے تھے اور اس میں وہ علامات نہیں تھیں لہذا معلوم ہوا کہ یہ حق تعالےٰ کی طرف سے ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

پس ازین رو علم سحر آموختن نیست ممنوع و حرام و ممتہن

یعنی اس حیثیت سے علم سحر کو سیکھ لینا ممنوع اور حرام اور ممتہن نہیں ہے یعنی اس نیت سے کہ حق و باطل میں تمیز ہو جاوے اگر سحر کو کوئی سیکھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے ہاں اُسکے مقتضا پر عمل نہ کرے جیسے کہ فلسفہ کو پڑھا جاوے کہ اُن لوگون کے جواب دینگے مگر اسپر عمل نہ کرے مولانا خود اسیکو فرماتے ہیں کہ۔

۲۲۷

بہر تمیز حق از باطل نکوست سحر کردن شد حرام ای مرد دوست

یعنی حق کو باطل سے تمیز دینے کیلئے تو اچھا ہے (مگر) اے دوست سحر کرنا حرام ہے یعنی اسپر عمل نہ کرے صرف اُسکی حقیقت کے معلوم کرنے کو سیکھ لے خیر جب وہ بھاگے تو اُن کی یہ حالت ہوئی کہ۔

بعد ازان اطلاق و تپ شان شد پدید کار شان تا نزع و جان کندن رسید

یعنی بعد اُسکے اُن کو (ڈر کی وجہ سے) دست اور بخار ہوگیا اور اُن کا کام نزع اور جان کنی تک پہونچگیا

پس فرستادند مردے در زمان سوئے موسیٰ از برائے عذر آن

یعنی پس انھون نے اسیوقت اُس فعل کی عذر خواہی کیلئے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آدمی بھیجا

کامتحان کردیم مارا کے رسد امتحان تو اگر نبود حسد

یعنی کہ ہم نے امتحان کیا تو ہم کو آپ کا امتحان کرنا کب لائق تہا اگر حسد نہ ہوتا مطلب یہ کہ ہم نے جو یہ امتحان کیا یہ اسی لئے تھا کہ ہمارے قلب میں آپ کی طرف سے کینہ تھا ورنہ اس امتحان کی کیا ضرورت تھی تو چونکہ ہم سے یہ خطا ہو گئی ہے لہذا ہم اب معافی کے خواستگار ہیں۔

مجرم شاہیم مارا عذر خواہ   اے تو خاص الخاص درگاہ الٰہ

یعنی ہم مجرم شاہ ہین آپ ہماری عذر خواہی فرماویں اے وہ شخص کہ آپ درگاہ خداوندی کے خاص الخاص ہیں۔

درگذر از ماکہ ماکردیم بد   اے ترا الطاف و فضل بے عدد

یعنی ہم سے درگذر فرمایئے اس لئے کہ ہم نے بُرا کیا ہے اے وہ کہ آپکے الطاف اور فضل بے نہایت ہیں غرضکہ اُن بچارون نے بہت ہی عذرخواہی کی۔

عفو کرد و در زمان نیکو شدند   پیش موسیٰ بر زمین سرمی زدند ۲۲۸

یعنی موسےٰ علیہ السّلام نے معاف فرمایا تو وہ اسیوقت اچھے ہوگئے اور موسےٰ علیہ السلام کے آگے زمین پر سر مارتے تھے یعنی بہت ہی شرمندگی اور عاجزی کا اظہار کر رہے تھے۔

گفت موسیٰ عفو کردم ای کرام   گشت بر دوزخ تن و جان تان حرام

یعنی موسےٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے کرام مین نے تو معاف کر دیا اور اب دوزخ تمہاری جان اور تن پر حرام ہو گئی یعنی آپ نے ان کو مغفور و مرحوم ہونے کی بشارت دی مگر اُن کی شرمندگی اس سے نہ گئی اس لئے کہ اب تو ان کو موسےٰ علیہ السّلام کی قدر ہو گئی تھی تو اُنکی تسلی کے لئے موسےٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

من شمارا خود ندیدم ای دو یار   اعجمی سازید خود را از اعتذار

یعنی اے دونوں یارو مین نے تو تم کو دیکھا بھی نہ تھا تم اس عذرخواہی سے اپنے کو اجنبی بنا لو
مطلب یہ کہ اَب اس عذرخواہی میں اسقدر مبالغہ مت کرو اسلئے کہ زیادہ سخت بات تو سوقت
ہوتی جبکہ مین تم کو دیکھتا اور میرا دل دُکھتا مگر اَب تو مجھے خبر بھی نہ ہوئی تم نے جب کہا ہے تب
خبر ہوئی ہے لہذا بس عذرخواہی کو ختم کرو کہ ہو چکی آگے فرماتے ہیں کہ ایک بات یہ کرنا کہ۔

ہمچنان بیگانہ شکل و آشنا — در نبرد آئید پیش بادشاہ

یعنی اسیطرح بیگانوں جیسے شکل اور (اصل مین) آشنا ہو کر بادشاہ کے مقابلہ میں آنا۔

انچہ باشد مر شمارا از فنون — جمع آرید از درون و از برون

یعنی جو کچھ کہ تم کو فنون (جادو) سے (حاصل) ہو اسکو اندر سے باہر سے خوب جمع کرو مطلب
یہ کہ موسیٰ علیہ السّلام نے یہ تدبیر بتائی کہ اَب تم مومن تو ہو گئے مگر اس ایمان کو کسی پر ظاہر
مت کرو بلکہ اسیطرح بیگانوں کی طرح آکر مجھسے مقابل ہونا اور بلینے کر تب خوب دکھانا اُسکے بعد میں
تم کو مغلوب کر دونگا پھر سب کے سامنے ایمان کو ظاہر کرنا تو اس میں مصلحت یہ ہے کہ اور لوگونکو
بھی ترغیب ایمان کی ہوگی پس یہ سُنکر وہ چلدیئے۔

۲۲۹

شہروں سے ساحروں کا فرعون کے سامنے جمع ہونا اور اس سے خلعتین پانا اور موسیٰ علیہ السّلام کے مغلوب کرنے پر سینہ پر ہاتھ مارنا اور کہنا کہ اس کام کا دفعیہ ہم سے سمجھو

پس زمین را بوسہ دادند و شدند — انتظار وقت فرصت مے بدند

یعنی اُن دونوں نے زمین کو بوسہ دیا اور چلدئے اور وقت فرصت کے منتظر رہے (وہ وقت فرصت یہ تھا کہ)

تا بفرعون آمدند آن ساحران — داد شان تشریفہائے بس گران

وعدہا شان کرد و ہم پیشین بداد — بندگان اسپان و نقد و جنس و زاد

بعد ازان شان گفت ہین ای سابقان — گر فزون آئید اندر امتحان

بر فشانم بر شما چندین عطا — کہ بدرد پردۂ جود و سخا

پس بگفتندش باقبال تو شاہ — غالب آئیم و شود کارش تباہ ۲۳۰

ما درین فن صفدریم و پہلوان — کس ندارد پائے ما اندر جہان

القصہ جادوگر فرعون کے پاس آئے اُس نے انکو اُبیش بہا خلعت عطا کئے اور وعدے بھی کئے اور بہت کچھ غلام گھوڑے نقد و جنس کھانے وغیرہ پیشگی بھی دے اسکے بعد ان سے کہا کہ اے سابقان فتحمندی یا فن جادوگیری یا انعام و اکرام اگر تم اس آزمائش میں کامیاب ہوئے اور موسیٰ سے بڑھ گئے تو میں تم کو اسقدر انعام دونگا کہ جود و سخا کی حد سے بھی تجاوز کر جاویگا۔ اسپر انھون نے کہا کہ حضور کے اقبال سے ہم یقیناً غالب ہونگے اور حریف کو کامل شکست ہوگی ہم تو اس فن مین صف شکن اور پہلوان ہیں عالم میں ہمارے مقابلہ کی کسیکو تاب نہیں موسیٰ بیچارہ کیا کریگا۔

تا بفرعون آمدند آن ساحران — داد شان تشریفہائے بیکران

یعنی یہانتک کہ وہ سب ساحر فرعون کے پاس آئے تو اُس نے انکو بے انتہا خلعتیں دیں۔

وعدہا شان کرد و پیشین ہم بداد — بندگان و اسپان و نقد و جنس و زاد

یعنی اُن سے فرعون نے وعدے بھی کئے اور پیشگی بھی غلام اور گھوڑے اور نقد اور جنس اور توشہ (خوب) دیا۔

بعد ازان شان گفت ہین اے سابقان — گر فزون آئید اندر امتحان

۲۳۱

یعنی اسکے بعد اُن سے بولا کہ اے سبقت لیجانے والو اگر تم امتحان میں غالب آگئے تو۔

بر فشانم بر شما چندین عطا — کہ بدرد پردۂ جود و سخا

یعنی تم پر اسقدر عطا کرونگا کہ وہ جود و سخا کے پردہ کو بھی پھاڑ دیگی مطلب یہ کہ جود و سخا سے بھی وہ عطا بڑھ جاویگی جود و سخا کو ایک پردہ فرض کر کے اس سے عطا کو بڑھاتے ہیں جب اسکو پردہ فرض کیا تو اس سے جب ہی بڑھ سکتی ہے جبکہ اس پردہ کو پھاڑے لہٰذا کہدیا کہ بدرد پردۂ الخ غرضکہ اس نے کہا کہ بے انتہا مال و دولت دونگا سبحان اللہ ذرا آپکی خدائی ملاحظہ ہو کہ جنکو کل بندے کہتا تھا آج ان ہی سے امداد کا قائل ہے تف ہے ایسے خدا پر اور اسکی خدائی پر نعوذ باللہ منہ۔

پس بگفتندش باقبال تو شاہ — غالب آئیم و شود کارش تباہ

یعنی بس انہون نے اُس سے کہا کہ اے بادشاہ آپکے اقبال سے ہم ہی غالب آوینگے اور اُنکا (موسے علیہ السّلام کا) کام تباہ ہوگا اس مضمون کو حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُوْنَ۔ بِعِزَّةِ کا ترجمہ باقبال ہی کرنا بہتر ہے اور بولے کہ۔

ما درین فن صفدریم وپہلوان کس ندارد پائے ما اندر جہان

یعنی ہم اس فن مین صف شکن (کامل) ہیں اور پہلوان ہیں اور جہان میں ہمارا مرتبہ کوئی نہیں رکھتا مطلب یہ کہ ہم سب سے بڑھے ہوئے ہیں آج کوئی ہمارے مقابلہ کا نہیں ہے مولانا نے اس حکایت کو یہیں تک بیان فرمایا ہے آگے کہیں پورا نہیں کیا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ مولانا کو حکایت مقصود ہی نہیں ہے بالکل اسیطرح قرآن شریف میں بھی ہے کہ قصص پورے پورے بیان نہیں کئے گئے بلکہ اسیقدر بیان کیا گیا ہے جبقدر سے کہ نتیجہ نکل سکے اسیطرح مولانا نے اسکو یہانتک فرماکر آگے اُس مضمون کو جو کہ اس سے مقصود ہے اور جو اس سے نتیجہ اخذ ہوتا ہے بیان فرماتے ہیں کہ۔ ۲۳۲

ذکر موسیٰ بند خاطرہا شدست	کاین حکایتہاست کہ پیشین بدست
ذکر موسیٰ بہر روپوش است ولیک	نور موسیٰ نقد تست ای یار نیک
موسیٰ و فرعون در ہستی تست	باید این دو خصم را در خویش جست
تا قیامت ہست از موسیٰ نتاج	نور دیگر نیست دیگر شد سراج

(باقی آیندہ)

الحدیث انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ما شاء ابن حبان من حدیث واثلۃ بن الاسقع وھو فی الصحیحین من حدیث ابی ھریرۃ دون قولہ فلیظن بی ما شاء ف ھو مجمل یفصلہ الحدیثان السابقان و الایمان شرط فی کل حال

حدیث (قدسی) میں (یعنی حق تعالی) اپنے بندہ کے گمان کے نزدیک ہوں پس میرے ساتھہ جو چاہے گمان کرلے روایت کیا اسکو ابن حبان نے واثلہ بن الاسقع کی حدیث سے اور یہ حدیث صحیحین میں ابوہریرہؓ سے ہے اوس میں یہ مضمون نہیں ہے کہ میرے ساتھ جو چاہے گمان کرلے **ف** یہ حدیث مجمل ہے اوپر کی دو حدیثیں اس کی تفصیل کرتی ہیں (یعنی یہ حسن ظن تقدرت کے وقت عمل کے ساتھ معتبر ہے اور عجز کے وقت بدون عمل بھی معتبر ہے) اور ایمان ہر حال میں شرط ہے۔

الحدیث لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا الحدیث وفیہ فھبط جبریل الحدیث ابن حبان فی صحیحہ من حدیث ابی ھریرۃ فاولہ متفق علیہ من حدیث

حدیث اگر تم کو اون باتوں کی خبر ہوجاتی جنکی مجکو خبر ہے تو تم بہت کم ہنسو۔ اور کثرت سے رویا کرو اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے الخ اسکو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ کی حدیث سے روایت کیا ہے پس اس حدیث کا اول حصہ شیخین کا روایت کیا ہوا ہے حضرت

احیاء العلوم بیان الرجاء صفحہ ۱۱۳

انس و رواه بزيادة ولخرجتم الى الصعدات احمد والحاكم وتمامه فقال ان ربك يقول لك لم تقنط عبادي فخرج عليهم ورجاهم وشوقهم

انس کی حدیث سے اور احمد اور حاکم نے اسکو اس زیادت کے ساتھ روایت کیا ہے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا) اور تم جنگلوں کو نکل جاتے اور تتمہ اسکا یہ ہے کہ پس جبریل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کے پروردگار فرماتے ہیں کہ آپ میرے بندوں کو نا امید کیوں کرتے ہیں پس آپ اون لوگوں کے پاس تشریف لائے اور اونکو امید دلائی اور شوق دلایا (تاکہ زیادت تخویف کا تدارک ہوجاوے)

ف فيه ادب الشيخ من تغليب الرجاء على الخوف لمن هو بصدد الحيازة لغاية الخوف من الاهتمام للآخرة كداب الصحابة رض

ف اس حدیث میں شیخیت کا ادب ہے کہ خوف پر رجا کو غالب رکھا کرے ایسے لوگوں کے لیے جو کہ خوف کی حکمت یعنی اہتمام آخرت کے سامان کی کوشش میں لگے ہوں جیسے صحابہ کی شان تھی (کہ اہتمام آخرت میں شدت سے مشغول تھے جس سے خوف کی غایت حاصل تھی تو اون کے لیے خوف سے زیادہ ضرورت رجا کی ہے)

۱۱۴

تفضیل الرجاء علی الخوف للعامل للآخرۃ

ترجیح دادن رجا را از خوف برائے عامل آخرت

الحديث المومن افضل من الكعبة ابن ماجة من حديث

حدیث مومن کعبہ سے افضل ہے روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے ابن عمر کی حدیث سے ان الفاظ سے کہ (اے کعبہ) تو کسقدر

ابن عمر بلفظ
ما اعظمك واعظم
حرمتك والذی نفسی
بیدہ لحرمۃ المؤمن
اعظم حرمۃ منك مالہ
ودمہ وان یظن[1] بہ الا
خیرا وشیخہ نصر بن محمد
ابن سلیمان الحمصی
ضعفہ ابو حاتم و
وثقہ ابن حبان
ف فیہ فضل المومن
علی الکعبۃ ولو جزئیا
ومنہ قول
بعضہم ؎
از ہزاراں کعبہ یکدل بہتر است
فان المؤمن ھو
القلب لقولہ تعالی
ولما یدخل
الایمان فی قلوبکم
ولا یخالجنك
ان مدلول الحدیث

عظیم ہے اور تیری حرمت کسقدر عظیم ہے
(مگر) قسم ہے اوس ذات کی جس کے ہاتھ
میں میری جان ہے (کہ) البتہ مومن کی حرمت
تیری حرمت سے اعظم ہے اوسکا مال بھی اور
اوسکی جان بھی اور اوس کے ساتھ خیر ہی
کا گمان کیا جاسکتا ہے اور ابن ماجہ کے
شیخ یعنی نصر بن محمد بن سلیمان حمصی کو
ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے اور ابن حبان
نے اون کی توثیق کی ہے ف اس
حدیث میں مومن کا کعبہ پر فضیلت رکھنا
مذکور ہے اگرچہ یہ فضیلت جزئیہ ہو (اسی
لئے اوسکا جہت سجدہ ہونا لازم نہیں
آتا) اور اسی سے بعض کا مقولہ ہے ؎
از ہزاراں کعبہ یکدل بہتر است
کیونکہ مومن قلب ہی ہے حسب ارشاد
حق تعالی کے کہ ابھی تک ایمان تمہارے
قلوب میں داخل نہیں ہوا (پس مومن کا
افضل ہونا جیسا کہ حدیث میں ہے
اور دل کا افضل ہونا جیسا قول بعض میں ہے
ہم معنی ہے) اور تمکو یہ خلجان نہ ہو کہ حدیث
کا مدلول تو صرف حرمت میں اعظم ہوتا ہے

[1] ای تاویلہ ویظن مبنی للمفعول ۱۲

۱۱۵ تفضیل المؤمن علی الکعبۃ

انما ھو لاعظمیۃ فی الحرمۃ
بمعنی لزوم الاثم بانتھا کھا
فوق الکعبۃ من
وجہ لکون حق العبد
اشد من حق اللہ و
ھو لا یستلزم
افضلیتہ والا لزم
القول بافضلیۃ
مال المسلم ایضا وھو
باطل لانا لا نستدل
بقولہ لحرمۃ المؤمن الخ
بل بقولہ ما اعظمک الدال
علی العظم الذاتی فلا
بارادۃ المقابلۃ علی عظمیۃ
المؤمن ذاتا والا
لکان ذکر العظم الذاتی
خالیا عن الفائدۃ ولا یسوغ القول بہ

۱۱۶

الحدیث المؤمن اکرم
علی اللہ من الملئکۃ
ابن ماجۃ من روایۃ
ابی المہزم یزید بن سفیان

جسکے معنی یہ ہیں کہ اوس (مومن) کی حرمت
پر حملہ کرنے سے بہ نسبت بے ادبی کعبہ کے
من وجہ گناہ زیادہ لازم آتا ہے بوجہ اسکے
کہ حق العبد اشد ہے حق اللہ سے
اور یہ مستلزم فضیلت (ذات) کو نہیں
ورنہ لازم آتا ہے کہ مال مسلم کی فضیلت
کے بہی قایل ہوں (کہ وہ بہی دم کے
ساتہ مذکور ہے) حالانکہ یہ باطل ہے
(سو یہ خلجان نہ ہو) کیونکہ ہم اس قول سے
استدلال نہیں کرتے لحرمۃ المومن الخ
بلکہ ما اعظمک سے استدلال کرتے
ہیں۔ جو کہ عظمت ذات (کعبہ) پر دال ہے
پس چونکہ مقصود مقابلہ کرنا ہے اس سے
یہ قول مومن کی عظمت ذات پر دال
ہوگا ورنہ عظمت ذات (کعبہ) کا ذکر
بیفائدہ ہوگا اور (حدیث میں) اسکا
قائل ہونا جائز نہیں۔

حدیث ۔مومن اللہ تعالی کے نزدیک
ملائکہ سے بہی زیادہ مکرم ہے روایت کیا اسکو
ابن ماجہ نے ابو المہزم یزید بن سفیان
کی روایت سے وہ روایت کرتے ہیں

(باقی آئندہ)

اور اُسکے ساتھ یہ بھی حکم دے کہ سب لوگ خوب نہا دہو کر اور اعلےٰ اعلےٰ خوشبوئیں لگاکر اور عمدہ سے عمدہ پوشاکیں پہن کر غرض پوری طرح شرکت جشن کے قابل ہو کر شریک جشن ہوں سو ظاہر ہے کہ شرکت جشن مقصود ہے اور باقی امور اسکے تابع جب یہ بھی ذہن نشین ہو گیا او معلوم ہو گیا کہ نماز اور حج ارکان مقصودہ ہیں اور زکوۃ اور روزہ انکے تابع تو اب اصل مقصود سنو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں صدیق اکبر کو امیر حج بنایا اور باوجود تمام صحابہ کی موجودگی کے اس خدمت پر آپکے سوا کسیکو مامور نہیں فرمایا پس اسلام کے ایک رکن اصلی کے متعلق آپ کا استخلاف عملی ثابت ہو گیا اور اسکے ضمن میں اسکے تابع روزہ کے متعلق بھی استخلاف ثابت ہو گیا پھر آپ نے اپنے مرض وفات میں خدمت امامت صلوۃ آپ کے سپرد کی اور سترہ وقت کی نمازیں اپنے سامنے آپ سے پڑھوائیں اور باوجود تمام صحابہ کی موجودگی کے یہ خدمت صدیق اکبر کے سوا کسی کے سپرد نہیں فرمائی پس نماز کے متعلق آپ کا استخلاف عملی ثابت ہو گیا اور اسکے ضمن میں اسکے تابع زکوۃ کے متعلق بھی استخلاف ثابت ہو گیا تو دوسرے اعمال مثل جہاد وغیرہ کے متعلق بھی ضمناً استخلاف ثابت ہو گیا اب کونسی وجہ ہے کہ صدیق اکبر کو خلیفہ برحق نہ مانا جاوے اور کس طرح کہا جاوے کہ خلافت کی ان میں اہلیت نہ تھی اور اہلیت خلافت صرف حضرت علی میں تھی اور وہی خلیفہ تھے مولانا نے اس تقریر کو نہایت وضاحت اور بسط کے ساتھ بیان فرمایا تھا اور اسقدر دلکش پیرایہ میں بیان فرمایا تھا کہ میں نے مولانا کی کوئی تقریر اس قدر دلکش نہیں سنی مگر وہ تقریر مجھے محفوظ نہیں رہی اسلئے اسکا قریب قریب خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اس تقریر کا اس قصہ خوان پر یہ اثر ہوا کہ وہ اسیوقت رفض سے تائب ہو کر سنی ہو گیا۔

101

حاشیہ حکایت (۳۸) قولہ فی آخر القصۃ قریب قریب خلاصہ الخ

اقول جب مقارب اور خلاصہ اس غضب کا ہے تو عین کیسا کچھ ہو گا (**ش ت**)

(۳۹) خانصاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت بیان فرماتے ہوئے بیان فرمایا کہ اور مختلف لوگوں کی نسبت احادیث میں لفظ احب وارد ہوا ہے کہیں حضرت عائشہؓ کو احب فرمایا ہے کہیں حضرت فاطمہؓ کو کہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو

وغیرہ وغیرہ لیکن ابوبکر صدیق کی نسبت حدیث مین وارہوا ہے کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا اور یہ بات (جسمین مادہ خلت ہو) کسی اور کیلئے نہین فرمائی جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ خاص خاص مادون کی خاص خاص خصوصیات ہوتی ہیں مثلاً جس مادہ میں ف کی جگہ (یعنی فا ر فعل کی جگہ) ش ہو گا اسکے معنے میں علو کے معنے پائے جائیں گے جیسے شرف شر شیطان وغیرہ وغیرہ اسی طرح جس مادہ میں ف ع کی جگہ خ ل ہونگے اسمیں علحدگی اور یکسوئی کے معنے پائے جائیں گے جیسے خلوت خلو بیت الخلا خلیفہ خلال وغیرہ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ محبت کا تعلق قلب سے ہے اور قلب میں بہت سے پردے ہوتے ہیں اور اسکے بیچ مین ایک خلا ہوتا ہے پس عام محبوبوں کی محبت تو قلب کے پردون میں ہوتی ہے اور خلیل کی محبت اس خلا میں جو قلب کے اندر ہوتا ہے جب یہ بھی معلوم ہو گیا تو اب حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ میرے جوف قلب میں خدا کی محبت کے سوا کسی کی محبت کی جگہ نہیں ہے اور اگر بالفرض اس جگہ کسی اور کی محبت کو جگہ ہوتی تو ابوبکر صدیق کی محبت کو ہوتی اور جب ابوبکر آپ کو اس درجہ محبوب تھے تو ضرور ہے کہ آپ کی محبت اور سب سے زائد ہوگی اور دوسرون کی محبت کا تعلق جوف قلب سے دور پردون سے ہوگا اور ابوبکر صدیق کی محبت کا تعلق اس پردہ سے دور جوف قلب سے قریب تر ہے۔ ۱۰۲

حاشیہ حکایت (نمبر ۸۰) قولہ کسیکو خلیل بناتا **اقول** اگر پھر یہ سوال ہو کہ حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ فرما کر اپنے تفضیل کی علت میں اپنے کو حبیب اللہ فرمایا ہے جس سے اسکے عکس کا شبہ ہوتا ہے جواب یہ ہے کہ اس حکم کا مبنیٰ لغت نہیں بلکہ محاورہ ہے محاورات مین خلیل کا اطلاق عاشق پر بھی ہوتا ہے مگر حبیب کا صرف معشوق پر (**ش**ت)

(۸۵) خانصاحب نے فرمایا کہ میں نے مولوی سراج احمد خورجوی اور مولوی محمد شاہ صاحب رامپوری سے سُنا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے ایک خط میں شیخین کی افضلیت پر اس آیت سے استدلال فرمایا ہے واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فألف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔ اور تقریر استدلال اسطرح فرمائی ہے کہ

حق تعالےٰ نے صحابہ پر اپنا احسان جتاتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو
کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلونکو ملا دیا اور تم اسکی نعمت سے
بھائی بھائی ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں
صحابہ میں آپس میں عداوت نہ تھی اور وہ آپس میں بھائی بھائی تھے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ
برکت تھی آپ کے وجود اور آپ کی تعلیم کی جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ صحابہ میں یہ صفت
اخوت پورے طور پر کس وقت تک رہی سو پورے طور پر یہ صفت دو خلافتوں تک رہی اور
اگر حضرت عثمان کے خلافت کے ابتدائی چھ برس بھی شمار کئے جائیں تو کئے جا سکتے ہیں اور
اسکے بعد صحابہ مین آپس مین مخالفتیں اور جھگڑے قصے پیدا ہو گئے سو اس سے پتہ چلتا ہی
کہ اوّل کی ڈہائی خلافتیں اخیر کی ڈیڑھ خلافت سے افضل ہیں اور اس زمانہ کے خلیفونکی
برکت اور تعلیم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور تعلیم کا بہ نسبت اخیر کے خلیفونکی برکت
و تعلیم کے زیادہ حصہ لئے ہوئے تھی اور اس سے پہلے خلیفونکی افضلیت بعد کے خلیفوں پر ظاہر ہی
اور ثابت ہے کہ پہلے دو خلیفونکی تعلیم اخیر کے دو خلیفون سے زیادہ علی منہاج النبوۃ تھی۔ ۱۰۳

حاشیہ حکایت (۸۵) **قولہ** فی آخر القصۃ اخیر کے دو خلیفون سے
زیادہ **اقول** یہ تفاوت ناقص کامل کا نہیں کامل اکمل کا ہے (**ش ت**)

(۸۶) خانصاحب نے فرمایا کہ جب شاہ صاحب کا تحفہ لکھنؤ میں پہنچا ہے تو لکھنؤ
کے نواب نے جو اسوقت برسر حکومت تھا مجتہدین شیعہ سے درخواست کی کہ اسکا جواب
لکھا جاوے مجتہدین میں سے دلدار علی خان نے جواب کا بیڑا اٹھایا لیکن تحفہ کی زبان چونکہ
بےنظیر تھی اسلئے مرزا قتیل سے درخواست کی گئی کہ اور مضامین قبلہ و کعبہ لکھیں اور آپ انکو اپنی
عبارت میں ادا کردین تاکہ مضامین کا جواب مضامین سے اور عبارت کا جواب عبارت سے
ہو جاوے مگر قتیل نے عذر کیا اور کہا کہ میں شاہ صاحب کی سی فارسی عبارت لکھنے پر
قادر نہیں ہون اور اسکی تائید مین اس نے بیان کیا کہ دلی میں ایک رنڈی سے میری آشنائی
ہے اور میں نے نہایت دماغ سوزی سے اور اپنی پوری قابلیت صرف کرکے اسے ایک
خط لکھا تھا وہ رنڈی خط کو دلی کے تمام لائق فائق لوگوں کے پاس لیگئی اور درخواست کی

کہ اسکا جواب لکہدیا جاوے مگر اسکے جواب کا کسی نے اقرار نہیں کیا مجبور ہو کر وہ اس خط کو
شاہ صاحب کی خدمت مین لیگئی اور ظاہر کیا کہ میں تمام جگہ پھر چکی ہون مگر کسی نے جواب کی حامی
نہیں بہری اب مین مجبور ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی ہون حضور اسکا جواب لکہدین۔
شاہ صاحب نے خط سنتے ہی فی البدیہ اسکا جواب لکہوادیا وہ خط میرے پاس چھ مہینے سے
رکھا ہے اور میں کوشش کرتا ہون کہ اسکا جواب لکھون مگر اب تک مجھ سے اسکا جواب
نہین ہو سکا اب آپ غور فرمالیں کہ میں تحفہ کی عبارت کا جواب کس طرح دے سکتا ہون جب
قتیل نے عذر کیا تو ناچار قبلہ وکعبہ نے خود ہی جواب لکھا اس جواب کو نواب صاحب نے
مرزا قتیل کے سامنے پیش کیا اور پوچھا کہ تبلایئے کیسا جواب ہے مرزا قتیل نے اُسکو
دیکھکر کہا کہ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو عرض کرون نواب صاحب نے فرمایا کہ فرمایئے مرزا قتیل نے
کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ قبلہ وکعبہ سے تو اپنی کتاب کا نام بھی رکھنا نہ آیا شاہ صاحب تو تحفہ
پیش کرتے ہیں اور قبلہ وکعبہ تحفہ کا جواب تلوار سے دیتے ہیں (مرزا قتیل کے اس اعتراض
کا منشا یہ تھا قبلہ وکعبہ نے اپنی کتاب کا نام ذوالفقار رکھا تھا) اسکے بعد قبلہ وکعبہ نے فرمایا
کہ اچھا عبارت کی نسبت کچھ فرمایئے قتیل نے کہا کہ حضور کہان جائس کا جولاہہ اور کہان
دلّی کی سیڑہیو نکا بیٹھا ہوا شہدہ (یہ قتیل نے اسلئے کہا کہ قبلہ وکعبہ جائس کے تھے اور
جائس کے جولاہے مشہور ہیں)

۱۰۴

حاشیہ حکایت (۸۶) قولہ فی البدیہ اُسکا جواب لکہوادیا اقول اگر
کسی کو وسوسہ ہو کہ ظاہراً فسق ہی کا علاقہ تھا تو اسکی تقویت واعانت کیسے کی جواب یہ ہے کہ
ممکن ہے کہ قاتلہ اور قتیل دونون اس قابل نہ رہے ہون صرف اظہار لیاقت ہی کے لئے
مکاتبت ہوئی ہو تو معین پر بدگمانی کا کچھ حق نہیں ہے

بگذر از ظن خطا اے بدگمان　＊　ان بعض الظن اثم را بخوان (مثنوی)

(۸۷) خانصاحب نے فرمایا کہ یہ بات جو میں اسوقت لکھوانا چاہتا ہون میں نے صدہا
آدمیوں سے سُنی ہے اور اسکے آخر میں مولوی محمود حسن صاحب کا کچھ اضافہ ہے اسکو بھی
اسکے آخر میں لکھواونگا اصل واقعہ یہ ہے کہ اگر عید کا چاند تیئس کا ہونے والا ہوتا تو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرۃ الصدیق

الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ قرآنا عربیا غیر ذی عوج والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الذی قال اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین ۔

بعد حمد وصلوٰۃ کے احقر محمد صابر امروہوی غفرلہ عارض مُدعا ہے کہ ارباب بصیرت واہل دانش خوب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے ہر ایک کا وجود باوجود آپکا ایک بین معجزہ اور حقانیت اسلام کی ایک روشن دلیل ہے اسلیے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مافوق العادۃ نتائج واثرات یا بالفاظ دیگر آپکے شاگردون کے فضائل وکمالات منجملہ آپکی نبوت کے اور براہین ساطعہ وحجج قاطعہ کے یہ بھی دلائل قاہرہ ہیں شاگردون کے کمالات اُستاد کے کمال کی دلیل ہونا کسی ذی فہم کے نزدیک قابل انکار نہیں ہو سکتا خاصکر وہ شاگرد جنھون نے سوائے ایک اُستاد کے کسی دوسرے کے سامنے زانوئے تلمذ خم نہ کیا ہو چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دوسرے سے کچھ حاصل ہی نہیں کیا اور اگر کسی کو قبل از اسلام کچھ معلومات تھے بھی تو اس نے اُنکو اسلام لانیکے بعد لوح قلب سے حرف غلط کیطرح بالکل محو کر دیا تھا۔

حضرت شیخ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالےٰ نے اسی کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے "ہمہ چشم بر جمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودند" اور فرماتے ہیں صحابہ عظام اسطرح خالی الذہن ہو کر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے کہ "گویا ہنوز از شکم مادر بظہور آمدہ آند" بھلا ایسے شاگردونکے کمالات انکے اُستاد کے کمال کے کیونکر دلائل نہ ہونگے ان دلائل کا ذکر قرآن مجید، فرقان حمید مین بکثرت موجود ہے چند آیات ہدیۂ ناظرین ہیں باریتعالیٰ عز اسمہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۔ یعنی جو شخص رسول

(اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کریگا بعد اسکے کہ اسکو امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مومنین کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ ہولے تو ہم اسکو (دنیا مین) جو کچھ کرتا ہے کرنے دینگے اور (آخرت میں) اسکو دوزخ میں داخل کرینگے اور وہ بُری جگہ ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ۔ اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں ایک اور جگہ فرماتے ہیں هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ یعنی وہ ہی (اللہ) جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (یعنی ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد یعنی) مومنین سے قوت دی اور انکے دلوں میں اتفاق پیدا کر دیا۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ یعنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو لوگ آپکے صحبت یافتہ ہیں وہ (عموماً) کافرون کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں (اے مخاطب) تو انکو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالے کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں انکی مقبولیت کے آثار سجدون کی تاثیر سے اُن کے چہروں میں نمایاں ہیں۔

ایک مقام پر یون ارشاد فرماتے ہیں إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ یعنی آپکے رب کو معلوم ہے کہ آپ اور آپکے ساتھ والون میں سے بعضے آدمی (کبھی) دوتہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات نماز میں کھڑے رہتے ہیں۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا۔ یعنی اے نبی آپ نے اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں لوگونکو جوق جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیا۔

ناقلان قرآن وراویان دین وایمان کی سب سے پہلی جماعت یہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت ہے جسکا انکار کرنے سے قرآن کریم ونبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار لازم آتا ہے اور نہ کوئی مسئلہ مسائل شرعیہ سے ثابت ہو سکتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ کرام کی تحقیقی طور پر تعداد تو کسیکو معلوم نہ ہو سکی ہان تخمینی شمار محدثین نے بیان فرمایا ہے علامہ محمد طاہر گجراتی مجمع بحار الانوار میں تحریر فرماتے ہیں وقبض عن

مائۃ الف و اربعۃ و عشرین الفا یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ چھوڑ کر دنیا سے رحلت فرمائی یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی تھے یا یون کہنا چاہیئے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار آپکی نبوت کے دلائل تھے باغ اسلام کی پرورش اور اسکے تروتازہ کرنے میں صحابۂ عظام کی جان نثاریان اور انکی قربانیان تاریخ عالم کی ورق گردانی کرنے والون پر مخفی و پوشیدہ نہیں مورخین اسلام کا تو کہنا ہی کیا ہے تعجب یہ ہے کہ مورخین یورپ کی تارخین تک جسکی شہادت دے رہی ہیں اس موقع پر چند متعصب دشمن اسلام عیسائیون کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں

سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں جہان انھون نے حضرت عیسیٰ کے حواریین اور مہاجرین وانصار کے حالات کا مقابلہ کیا ہے لکھتے ہیں کہ جس زمانہ تک مقابلہ کرنا ممکن ہی امیں تکلیفات کی برداشت کرنے اور دنیاوی لالچون کے قبول نہ کرنے میں دونوں حضرت مسیح اور آنحضرت) برابر ہیں لیکن محمد کے تیرہ برس کے موعظت نے بمقابلہ کل زمانہ زندگی مسیح کے ایک انقلاب پیدا کیا جو ظاہر میں لوگون کی نظر میں بہت بڑا معلوم ہوتا ہے مسیح کے تمام پیرو خوف کی آہٹ معلوم ہوتے ہی بھاگ گئے اور ہمارے خداوند کی تعلیم نے اُن پانسو آدمیون کے دل پر جنھون نے انکو دیکھا تھا خواہ کیسا ہی گہرا اثر پیدا کیا ہو مگر ظاہر میں اسکا کچھہ نتیجہ دکھائی نہیں دیا ان میں سے کسی نے بھی اپنی خوشی سے اپنا گھر نہیں چھوڑا اور نہ سیکڑون نے مسلمانونکی طرح بالاتفاق مہاجرت اختیار کی اور نہ ویسا پرجوش ارادہ ہی کسی سے ظاہر ہوا جیسا کہ ایک غیر شہر (یثرب) کے نومسلمون نے اپنے خون کے عوض اپنے پیغمبر کے بچانے میں کیا۔

ایک دوسرا عیسائی فاضل گاڈفری ہیگنس اپنی کتاب موسوم بہ اپالوجی فرام محمدؐ میں لکھتا ہے کہ "باوجودیکہ محمدؐ (صلعم) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی ابتدائی سوانحمری میں ایسے حالات ہیں جنمیں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے لیکن بہت سے ایسے ہیں جنمین بالکل اختلاف ہے مثلاً عیسےٰ کے اول بارہ مریدوں کو ناتربیت یافتہ وکم رتبہ مانا گیا ہے بخلاف محمدؐ (صلعم) کے اول مریدون کے کہ بجز اسکے غلام کے سب لوگ بڑے ذی وجاہت تھے اور جب وہ خلیفہ اور افسر فوج اسلام ہوئے تو اس زمانہ میں جو کچھ انھون نے کام کئے انسے ثابت ہوتا ہے کہ امیں اول درجہ کی لیاقتیں تھیں اور غالباً ایسے نہ تھے کہ بآسانی دہوکہ کھا جاتے"

بڑے مشہور مورخ گبن نے بیان کیا ہے کہ "عیسائی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمدؐ (صلعم) کے مسائل نے اس درجہ نشہ دینی اسکے پیروؤں میں پیدا کیا کہ جسکو عیسےٰ (علیہ السلام)

کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور اسکا مذہب اس تیزی کیساتھ پھیلا جسکی نظیر دین عیسوی میں نہیں ملتی چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سے عالیشان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا جب عیسیٰ (علیہ السلام) کو سولی پر لیگئے تو اسکے پیرو بھاگ گئے اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجے میں چھوڑ کر چلدیے اگر بالفرض اسکی حفاظت کرنیکی انکو ممانعت بھی تو اسکی تشفی کیلئے تو موجود رہتے اور صبر سے اسکے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے برعکس اسکے محمدؐ کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد پیش رہے اور اسکے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرے میں ڈالکر دشمنوں پر اسکو غالب کر دیا۔"

سچ تو یہ ہے کہ اس باغ اسلام کے سب سے پہلے پودے جنسے بعد کے پودوں نے نشو و نما پائی انکی آبپاشی کا کام انہیں صحابہ کرام کے خون نے دیا ہے ان حضرات کے اسوۂ حسنہ کو مخلوق کی اصلاح اور ہدایت کیلئے بہترین طریقہ قرار دیا گیا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مثل ہیں جنکی اقتدا کروگے ہدایت یاب ہوجاؤگے سب سے پہلے سلف صالحین نے باریتعالیٰ کے قول مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ پر عمل کرکے اس فرمان نبوی کے سامنے سر تسلیم خم کیا جسکے سبب انھوں نے فلاح دارین حاصل کی لیکن ایک ہم ہیں کہ صحابہ کبار کے کارناموں اور انکے حالات سے بھی ناآشنا ہیں کیونکہ حقیقی مسلمان بننے کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوۂ حسنہ کو شعار بنانا لازمی ہے اس بنا پر میرے دوست محمد عثمان صاحب دہلوی کا ارادہ ہوا کہ ان حضرات کے حالات کا سلسلہ بجماخمار رسالہ الہادی میں شائع کیا جائے اور سب سے پہلے افضل الامۃ بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات سے اس سلسلہ کی ابتدا ہو اور اسکے لئے چار صفحوں کا اضافہ رسالہ مذکور میں کر دیا جاوے۔

صاحب موصوف نے اپنے اس ارادہ کو احقر سے بیان کرکے فرمایش کی کہ تو اس کام کو اپنے ذمہ لیلے یہ ناچیز باوجود بے بضاعتی و کم مائگی کے اس بار عظیم کو اٹھانے کی طاقت نہ رکھتا تھا مگر یہ خیال کرکے کہ باریتعالیٰ عزاسمہ کی وہ قدرت ہے کہ ایک خشک لکڑی سے وہ کام لے سکتے ہیں کہ جسکے انجام دینے سے بڑے بڑے ذی عقل صاحب قدرت عاجز رہجاتے ہیں اس کام کو بنام خدا یہ امید کرکے شروع کر دیا کہ کیا تعجب ہے کہ خدائیتعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اسکو ذریعہ نجات بنا دیں ؎

اُحِبُّ الصّٰلِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ ✢ لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا

بارالٰہی اس خاکسار کی مدد فرما اور خطا و لغزش و ریا سے بچا آمین ثم آمین وبک نستعین ✢

(باقی آیندہ)